یا اہل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الآیۃ

بائبل سے قرآن تک

ت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ؒ کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اوّل

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دار العلوم کراچی

تنقیح

نور ... ب

... لوم کراچی

... لوم کراچی

۴۲... ۱۱ ...ف نمبر ۴۳
۱۲ ...نمبر ۴۵
۱۴ ...یہ اختلاف
۱۵ ...نمبر ۵۳
۱۵
...ورنہ تھی
...ن تھا؟
...مسیح موعود
...نمبر ۵۷

اشاعت ــــ اول
تعداد ــــ ایک ہزا...
طباعت ــــ جاوید پر...
قیمت ــــ 15/- ...

کچھ حوالوں سے متعلق

(۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہے، اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثنا ۵ : ۱۳ کا مطلب ہے کتاب استثناء کے پانچویں باب کی تیرہویں آیت، اسی طرح $\frac{5}{13}$ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔

(۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں،

(۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا مکمل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے اوپر ت کی علامت بنادی گئی ہے، لہٰذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف حاشیے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔

(۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ اُن اصطلاحات کی بھی مکمل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہٰذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کی تفصیل حرفِ آغاز میں دیکھئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دار العلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

چند سالوں سے عالمِ اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، خاص طور سے پاک و ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں اُن کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی ۵۷-۱۹۵۶ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے"

... کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جرأتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف اپنے ... تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ رسالتمآب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور ... ... ـلام کے خلاف تمسخر آمیز گھناؤنے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں جھجکتیں،...

کلیسا ... ـے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں،

اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورتِ حال چنداں تشویشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں بالخصوص اسلام ... پر ... کیا ہوتا ہے؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ ... ـست دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں،

ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح خدوخال سے لوگوں کو واقف کراسکے، اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کرکے اپنی راہِ عمل علیٰ وجہ البصیرۃ متعین کرسکے، لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ !

آج سے کم و بیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقاومت کے لئے علماءِ حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکستِ فاش دیکر یہ ثابت کردیا کہ اسلام اور علماءِ اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں،

ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۸ھ) جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حسن (متوفی ۱۲۸۷ھ) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (متوفی ۱۳۱۷ھ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ)، مولانا شرف الحق صاحب صدیقی (متوفی ۱۳۵۴ھ)، مولانا محمد علی صاحب مونگیری (متوفی ۱۳۴۶ھ)، مولانا سید امیر حسن، مولانا سید عبدالباری صاحب (متوفی ۱۳۰۱ھ) مولانا سید ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے اسمائے گرامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسین صاحب حالی ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:۔

ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھر کر مل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب سے زیادہ دانش[illegible] اس لئے اُن کے منادیوں میں، اُن کے اخباروں اور اُن کے رسالو[illegible]

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانیِ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب اُن کے دام میں آگئے، اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا آلِ حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے، انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں، اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا"

(بحوالہ "فرنگیوں کا جال" ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کاوشوں سے ہندوستان کے طول وعرض میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کرلی تھی، جو ہر علاقے میں عیسائی پادریوں کی راہ میں مؤثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فرنچ انچارج ضلع ملتان لکھتے ہیں:

"ملتان کے ملا، سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (؟) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنھوں نے اسلام کا طرفدار ہوکر ڈاکٹر فانڈر سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا" ("صلیب کے علمبردار"، ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچارج مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

"ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور رات ہوگئی، کیونکہ بحث چھڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولانا اشرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہے، دکھائی نہیں دیتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہوسکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، یوں لیفرائے... مسجد دل کے اندر جاکر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا"

(صلیب کے علمبردار، بحوالہ فرنگیوں کا جال، ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مسلمان ملّا ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی ہو، یہاں پتیل آتا وہاں مُلّانے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیا، پتیل کو اس طرح دق کرتے" (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ رانچی، پٹنہ، بنارس، ہنم کنڈہ، گلبرگہ، شعلہ پور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض جہاں جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں، علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت کرتیں، زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے گراں قدر یادگاریں چھوڑیں، ردِ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ "اردو اخبار" (دہلی ۱۸۴۳ء) اسی مقصد کے تحت جاری ہوا تھا، کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واشگاف کرے، اور اسی "جرم" کی کی سزا میں اس کے اڈیٹر مولانا باقر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اس اخبار کے علاوہ "سید الاخبار"[1] (دہلی) ۱۸۳۸ء "سراج الاخبار" (دہلی) ۱۸۳۹ء "قطب الاخبار" (آگرہ) "نورٌ علیٰ نور" (لدھیانہ) "امین الاخبار" (الٰہ آباد) "پنجابی اخبار" (لاہور) "رہبرِ ہند" (لاہور) "ناصر الاخبار" (دہلی) "مہر درخشاں" (لکھنؤ) "المستنصر" (دہلی) "حبل متین" (کلکتہ) "نور الاسلام (سیالکوٹ) ۱۸۹۰ء "منشور محمدی" (بنگلور) ۱۲۸۷ء، بطور خاص قابلِ ذکر ہیں، نیز ماہنامہ "حسن"، (حیدر آباد دکن) ۱۸۸۹ء، اور "خیر المواعظ" (دہلی) ۱۲۸۹ھ وغیرہ رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی ورثہ اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑا ہے وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہے، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر سرمایہ سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانا عام مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بناء پر مشکل ہو گیا ہے، اوّل تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملتیں،

پھر اُن میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، تیسرے جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سَو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیشِ نظر کئی بار یہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہٖ یا ترجمہ کرکے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو "اظہار الحق" سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا نچوڑ ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراجِ تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطبُ اللسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دار العلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں، اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے اُن حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت ناقص رہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دار العلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہٗ مدرس دار العلوم کراچی کو ماشاء اللہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت و کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق (ایڈٹ) کا کام بحمد اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انھوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب و تہذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کرکے کتاب کی افادیت بہت بڑھا دی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کرکے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے مآخذ کی مراجعت کرکے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کی طرف بھی اشارے کر دیئے،

اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی وافی ہوگئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابلِ قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداءً وہ مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنھیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں،

زیرِ نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہلِ علم وفکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات مہیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب ردِّ عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب سے علیٰ وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہٰذا اب ہمارے اہلِ علم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دینِ حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، ـــــ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۸ محرم ۱۳۸۸ھ

۱۷۲۷۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

الحمدللہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہے،

اظہار الحق بلا شبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں اور جن سے علم وتحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ پر اپنے فضل ورحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری امتِ اسلامیہ کو سربلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق وصواب کی منزل کا وہ راستہ دکھلا گئے جس سے رُوگردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کرسکتا جسے بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تأثر یہ ہے کہ دینی علوم وفنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پیما ہوگئے ہیں، بعد میں آنے والے تحقیق وتفتیش کے اعتبار سے اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تأثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

نے "اظہار الحق" تصنیف فرما کر اس کلیے میں استثناء پیدا کیا ہے، "عیسائیت" وہ موضوع ہے جس پر اُن سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہو کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ اور علامہ ابن قیّم جوزیہؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قرطبیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن "اظہار الحق" کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجاتا ہے ع

کم ترك الاوّل للآخر

اس معرکۃ الآراء کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس وقیع علمی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو دان اہلِ علم اس کمی کو شدّت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم وبیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم سابق ناظمِ اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انھوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کردیں، چنانچہ انھوں نے میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کے ایماء پر اور ان کی نگرانی میں بنامِ خدا یہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مدظلہم نے ترجمے میں محنتِ شاقہ اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کرلیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصّہ لگ سکے گا، لیکن جب ترجمہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب وتحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظرعام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر قرعۂ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور ربیع الاول ۱۳۸۴ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتدا، کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب (edit) کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے ترقیم (Punctnation) کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کرکے تصحیح کرنی پڑیگی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کردوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہوجاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے "اظہار الحق" کے کچھ اقتباسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرونِ ملک سے میرے پاس خطوط کا تانتا بندھ گیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا اور میں نے اس پر مزید محنت شروع کردی، یوں یہ کام کھنچتا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں کرلینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگی مراجعت کرکے

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

(۱)۔ متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آتے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مدظلہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہِ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھدی ہیں، تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں، اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہوں،

(۲)۔ لیکن چونکہ بائبل کے مختلف اڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں اظہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے قوسین کے ذریعے ممتاز کرکے حاشیے پر اختلاف کی مکمل توضیح کردی ہے،

(۳)۔ اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر، خاص طور سے حوالوں میں، بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا بیں اظہار کر دیا،

نے ترجمے۔ غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرّب کرکے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے جن زمانہ تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے؟ میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھ دیا، اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

⑤ ـــــ جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اغلاق محسوس ہوا وہاں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

⑥ ـــــ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

⑦ ـــــ ترقیم (Panctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیراگراف قائم کر دیئے ہیں،

⑧ ـــــ آخر میں مفصّل اشاریہ (   ) مرتب کر دیا ہے،

⑨ ـــــ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے امور کی نشان دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلۂ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجۂ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے جن میں مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

① ـــــ بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں، جن اختلافات سے نفسِ مفہوم پر فرق پڑتا تھا انھیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

② ـــــ اظہار الحق کے مآخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے

حاشیے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر احقر نے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، اُن کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے،

(۳) ــــــ اظہار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جابجا استعمال ہوئی ہیں، احقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

(۴) ــــــ کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، اُن کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

(۵) ــــــ کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، احقر نے اُن ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا ... جاننا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو اُن سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف "ت" بنا ہوا ہے اُن ناموں کا تعارف حواشی میں موجود ہے،

(۶) ــــــ آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

(۷) ــــــ جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنفؒ کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

(۸) ــــــ جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنفؒ کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حواشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں،

⑨ ــــــ مصنفؒ نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گذشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حقر نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھدیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کرسکیں،

مآخذ اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی، جن میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشاں دہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں:

① اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحیح الشیخ محمد الاسیوطی،

② اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۷ھ المطبعۃ العامرۃ المحمودیۃ، الجامع الازہر، مصر،

③ اظہار الحق جلد اوّل مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعۃ العلمیۃ،

④ اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھابا راندیریؒ سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائیٹل کا صفحہ غائب ہے، اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سنِ طباعت معلوم نہیں ہوسکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحبؒ کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے "گجراتی مترجم" کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے،

اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

① اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لو اینڈ برائڈن پرنٹرز کے زیرِ اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا، اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں، اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے "موجودہ اردو ترجمہ" کا لفظ استعمال

کیا ہے،

(۲) اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

(۳) بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں "جدید عربی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

(۴) بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۸۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الایام الاوّل تک کے صحیفے اس میں سے غائب ہیں، "قدیم عربی ترجمہ" سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

(۵) بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) (کنگ جیمس ورژن ۱۶۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۱۲ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف "قدیم انگریزی ترجمہ" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے "الفاظِ متبادلہ کی فہرست" (Alternative Renderings) کے نام سے انہی تجاویز کی طرف اشارہ کیا ہے،

(۶) بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا بامحاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے:

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میتھوڈسٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، دی بیپٹسٹ یونین، دی پرسبیٹرین چرچ آف انگلینڈ، دی سوسائٹی آف فرینڈس، دی چرچ ان ویلز، دی چرچ آف آئرلینڈ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ نسخہ "دی نیو انگلش بائبل" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظرثانی نہیں ہو، بلکہ اسے بامحاورہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جابجا سابق انگریزی ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے،

اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے "جدید انگریزی ترجمہ" کا لفظ استعمال کیا ہے،

⑦ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن): یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہو اس کا مترجم مونسگنر اے، ناکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے میکملن کمپنی لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہو فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "اپوکریفا" (Apocrypha) بھی شامل ہے، لہٰذا ہم نے جہاں جہاں اپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے سے ماخوذ ہیں، اس پر جابجا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے "کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو جابجا ملیں گے:

① اے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کروا کے شائع کیا ہے، سنہ طباعت درج نہیں، "کنکارڈنس" سے میری مراد یہی کتاب ہے،

(۲) اے نیو ٹسٹامنٹ کمنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رانلڈ اے ناکس نے لکھا ہے،

(۳) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۰ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

(۴) ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کا اردو ترجمہ ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینلی، ایم اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی، رابنسن بی، اے، بی، ڈی اور اے ایم سٹبس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ جے، ایس، امام الدین اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہوئیں فراہم کردوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرف ایک صفحے کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ اُن حضرات کو ہوگا جنھوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یاب ہی نہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقعہ ضرورت تھی وہ مہیا نہ کر سکا، دارالعلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گذشتہ ایک سال سے ماہنامہ البلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہو گیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے احقر کو اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی اَن دیکھی طاقت میری رہنمائی فرما رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تقریباً مایوس ہو جانے کے بعد جب میں تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھلا ہے، اور تمام پیچیدگیاں دُور ہو گئی ہیں،

بہرکیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہار الحق جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ اسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی سہی، ایک نسبت مجھے حاصل ہو گئی ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

باری تعالیٰ کی بارگاہِ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمالے، اور جب آخرت میں دین کے مخلص خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سیہ کار بھی اس نسبت کی بنا پر ان حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

یہی وجہ ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات وہ تھے جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں اُن حضرات کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اوّلین محرّک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انھوں نے فراہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی (کراچی) جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بنک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکرگزار ہوں، جنھوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے مہیّا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمٰن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب اعظمی، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مسوّدات کی تبییض اور کاپیوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے اقتباسات نقل کئے ہیں، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرّمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رہینِ منّت ہوں کہ انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدار، جناب ابراہیم احمد صاحب باوانی اور ان کے رفقاء بھی بطورِ خاص شکریہ کے مستحق ہیں،

جن کی مالی اعانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،

ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا تہہِ دل سے شکرگذار ہوں جنھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کارِ خیر میں کسی بھی جہت سے حصہ لیا،

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اور یہ کتاب مصنفؒ، مترجم مدظلہم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ

دارالعلوم کراچی ۱۴

محمد تقی عثمانی
۲۷ر شعبان ۱۳۸۷ھ ہجری

مقدّمہ

از

محمد تقی عثمانی
اُستاذ دارُالعلوم کراچی ۱۴

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ؒ کی کتاب "اظہار الحق" اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہے کہ مجھ جیسے بے بضاعت انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعض اہم اسباب کی بناء پر میں یہ جرأت کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ "اظہار الحق" جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب سے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؟ اور اُن اصطلاحات کا کیا مطلب ہے جو عیسائی مذہب پر کی جانیوالی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، تا وقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ "اظہار الحق" ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے، جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بیحد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنھوں نے اس مذہب کو تنقید کی چھلنی میں چھان کر نئے نئے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ اُن کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزء بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں "اظہار الحق" کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو،

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کروں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم فرمودہ عقائد پیش کرتا ہے؟ اگر نہیں! تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انھیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن سے گذارش ہو کہ اس حصے کا بطور خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے بعد "عیسائیت اور عصر حاضر" کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زمانے کا ساتھ دے سکا ہے، پھر برّصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو رُو بعمل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امداد صابری صاحب نے اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المستعان،

پہلا باب

عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلاتبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کے کسی نظریئے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اظہار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریئے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اظہار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

عیسائیت کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے" (برٹانیکا مقالہ "عیسائیت" ص۶۹۳ ج۵)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مجمل ہے، الفریڈ، ای، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

"عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی
موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق
کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پختہ کر دیا گیا ہے۔"

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈے نے اس کے ایک ایک جزء کی توضیح کی ہے،
"اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے، جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمامتر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محورِ فکر وعمل ایک تاریخی شخصیت ہے ۔۔۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام! انہی کے قول وعمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے،

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ ونسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو موحّد (Monotheist) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں تین اقانیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث ۔۔۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی التثلیث ۔۔۔ کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آگیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحّد ہے، اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔"

مندرجۂ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفارے" پر ایمان رکھتا ہے، اس جزء کی تشریح کرتے ہوئے گارڈے لکھتا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اُسے پھر سے قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے[1]۔"

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ص ۵۸۱ ج ۳، مقالہ "Christianity"

یہ تھی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

عیسائی مذہب میں خدا کا تصوّر

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اُس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مارس رلیٹن لکھتا ہے:

"عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندۂ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوّت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں[1]"

عقیدۂ تثلیث یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصوّر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی اُلجھی ہوئی ہیں، اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس وناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدۂ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح وتعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک

---

[1] H. Maurice Relton : *Studies in christian Doctrine*, *Macmillan, London 1960 P. 3*

بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ "خدا" باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے[1]، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ، بیٹا اور "کنواری مریم" وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے[2]، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعۂ خدا[3]، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعۂ خدا سے کمتر ہیں، اور ان پر لفظ "خدا" کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے[4]، تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے[5]،

توحید فی التثلیث

غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خوابِ پریشاں" بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبولِ عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجۂ ذیل ہے:

---

[1] عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، (دیکھئے برٹانیکا ص ۴۷۹ ج ۲۲ مقالہ " TRINITY ")

[2] عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "انیر مدتیین" اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نوید جاوید، ص ۵۶ ۳ بحوالۂ پادری سیل صاحب)،

[3] Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by *the Encyclopaedia Britannica 1950 P. 479 V. 22 "TRINITY"*

[4] St. Thomas Aquinas, *Basic Writings of: P. 327 V.I. of Britannica P. 479 V. 22*

[5] یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے (الخطط المقریزیہ ص ۴۰۸ ج ۳، لبنان، ۱۹۵۹ء)،

تثلیث کے عیسائی نظریئے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریئے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔"

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

"عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنھیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنھوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریئے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ "باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے، اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی رُوح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جارہا تھا[1] ......

---

[1] اشارہ ہے متی ۳: ۱۶ کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق نسخہ ہذا صفحہ ۱۹۵ ج اول،

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جارہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے[1] ..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابلِ تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابلِ تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے[2]"

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

باپ عیسائیوں کے نزدیک "باپ" سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے، جس میں اس کی صفتِ کلام اور صفتِ حیات سے قطع نظر کرلی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے[3]،

---

[1] اشارہ ہے متی ۱۷: ۵ یعنی تجلی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ،

[2] Basic Writings of St. Augustine *trans. by A. W. Haddan and edited by Whitney J-Oats New York 1948 P. 672 V.2*

[3] Basic Writings, of St. TLomas Aquinas. *edited by A. C. Pegis P. P.324,26 V. I New York 1945*

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈای گاروے نے لکھا ہے کہ:

"اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۴۰۵ ج ۲)

بیٹا "بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفتِ کلام اور خدا کی صفتِ کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے:

"انسانی فطرت میں صفتِ کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقۃً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے[1]"

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوئی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے[2]، خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کرگئی تھی، جس کی وجہ سے "یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے،

رُوح القدس "روح القدس" (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفتِ حیات اور صفتِ محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

---

[1] Aquinas *The Summa Theologica Q 33 Art 206.3*

[2] Augustine, *The city of God. Book XI ch XXIV*

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے[۵۱]، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کرکے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۳: ۱۶، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدۂ تثلیث کی تشریح میں گذر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا تو عید پینٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۲: ۱ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۱۶۷ ج ۲)،

اب عقیدۂ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

تین اور ایک کا اتحاد

یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتدا سے لے کر اب تک ایک چیستاں بنا رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، سالہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آسکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں، ان کا دلچسپ

---

۵۱ The City of God by Augustine P. 168. V-2

حال پروفیسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

(۱) جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ابیونی فرقہ (Ebionites) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدۂ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس قرار دیدیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے "باپ"!

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے لوگوں کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا،

(۲) ابیونی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی خدائی سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن "شرک" کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں "باپ" نے خدائی عطا کی تھی، لہٰذا توحید اس لحاظ سے درست ہو کہ بالذات خدا صرف "باپ" ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ "باپ" نے خدائی کی یہ صفت "بیٹے" اور "روح القدس" کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہیں رہی،

(۳) ایک تیسرا فرقہ پیٹری پیشین (Patripassian) اٹھا، نائیٹس ( ) پرکزئیس (Praxeas) کالسٹس (Callistus) اور زیفائرینیوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہے، غیر فانی ہے، انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہوجائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کرسکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے رُوپ میں لوگوں کو نظر آسکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی رُوپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا رُوپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھادیا ——— لہٰذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بیٹا" کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بیٹا" رکھ لیا ہے،[1]

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابلِ حل مسئلے کھڑے کردیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریئے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جُوں کا توں رہا،

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابلِ قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلّمہ نظریئے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنھوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

---

[1] یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا لبِ لباب اور خلاصہ پیش کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے مارس ریلٹن کی کتاب

Studies in Christian Doctrine P.P. 61, 74

سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے[1]، اور کچھ علماء وہ ہیں جنھوں نے اس عقیدے کی

---

[1] اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدۂ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا، اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سے سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیتوں میں جو مفہوم بیان ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دین کے ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی "متشابہات" وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں نہ آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضر نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدۂ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدۂ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات کے سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلّف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظِ دیگر عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے جاننے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدۂ تثلیث کو متشابہ قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب ہے، اس لئے کہ "متشابہات" سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ بوجھ سے بالاتر ہو کر وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں خود بلا شبہ خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مفہوم انسان کی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروفِ مقطعات کہ الٓمٓ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم کوئی مطلب بیان نہیں کر سکتا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ترجمہ سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے ... مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور ... یقینی طور سے آج تک کوئی مطلب ... بلکہ عقل کے ...

(باقی ...)

نام رکھ دیئے گئے ہیں، خدا درحقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قدیم ہو غیرفانی ہے، انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہوجائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عوارض بھی طاری کرسکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے رُوپ میں لوگوں کو نظر آسکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی رُوپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا رُوپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھا دیا ـــــ لہٰذا درحقیقت "یسوع مسیح" یا "بیٹا" کوئی الگ اقنوم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے روپ بدل کر اپنا نام "بیٹا" رکھ لیا ہے[۵۰]،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر "ایک اور تین کے اتحاد" کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو دوسری طرف کئی ناقابلِ حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریئے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ" اور "بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیتا ہے، اس لئے یہ فرقہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جُوں کا توں رہا،

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابلِ قبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلّمہ نظریئے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا؟ جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنھوں نے اس گتھی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تین کا ایک اور ایک کا تین" ہونا ایک

---

[۵۰] یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کا لبِّ لباب اور خلاصہ پیش کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مارس ریلٹن کی کتاب

Studies in Christian Doctrine P.P. 61, 74

سربستہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے[1]، اور کچھ علماء وہ ہیں جنھوں نے اس عقیدے کی

---

[1] اسی بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدۂ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى جیسی آیات کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا، اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

متشابہات کی حقیقت ہمارے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس لئے اس کا جواب تفصیل سے سمجھ لیجئے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیتوں میں جو مفہوم بیان ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دین کے ان بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں ہوتا جن پر ایمان لانا نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھنے کا ہم کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی، "متشابہات" وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھ میں آنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مضر نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا عملی حکم موقوف نہ ہو اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدۂ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اسی عقیدۂ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات کے سمجھنے اور ماننے کا ہمیں مکلّف کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، بالفاظِ دیگر عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھے جانے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدۂ تثلیث کو متشابہ قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا خود عیسائی مذہب سے، اس لئے کہ "متشابہات" سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ نہ پہنچ سکے وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، گویا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن خود بلاشبہ خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے "انسان" سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروفِ مقطعات کہ الٓمٓ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم

بیان نہیں کر سکتا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہ

عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری

کوئی عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے ــــــــ جہاں تک ان ہندوستانی پادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) مفہوم کیا ہے؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، "رحمان عرش پر سیدھا ہو گیا"۔

ان الفاظ کا ایک ظاہری مفہوم نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سیدھا ہو گیا ہے، لیکن یہ مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات غیر متناہی ہے، وہ کسی مکان کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی، اس لئے جمہور اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے "عرش پر سیدھا ہونے سے" کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں یقینی طور سے معلوم نہیں،

ظاہر ہے کہ عقیدۂ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تین اقنوم ہیں، اور یہ تین ایک ہیں، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ بناتا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماورا کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی "خدا کا عرش پر بیٹھنا" ہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلافِ عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

دوسرے الفاظ میں مسلمان قرآنِ کریم کی جن آیتوں کو "متشابہ" قرار دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں حقیقۃً جو دعویٰ کیا گیا ہے وہی ہم نہیں سمجھ سکے، لیکن جو دعویٰ ہے وہ عقل کے مطابق اور دلیل کے موافق ہے، اس کے برخلاف عقیدۂ تثلیث کے بارے میں جہاں تک ہم اس گتھی کو حل کر سکے ہیں وہ یہ ہے کہ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ تو معلوم اور متعین ہے، لیکن اس کی دلیل

۵۱ یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد بار لئے عقیدۂ تثلیث کو "متشابہات" سے کوئی مناسبت نہیں ہے، ۱۲ تقی

P.P. 61, 74

صاحبان کا تعلق ہے جو پچھلی ایک صدی کے دوران برّصغیر میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں اُن کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عیسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب عیسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عیسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے "عقیدۂ تثلیث" کی تشریح کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ "تکشیف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں توحید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں،

> "اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی ہم جنس یعنی مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے" (تکشیف التثلیث ص ۲۴، لاہور ۱۹۲۷ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "تین اقانیم" سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہے ـــــ حالانکہ عیسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے[1]، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت (Person) کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص "انسان"

---

[1] آگسٹائن کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسان کا ایک جزء کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ، بیٹے ..... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو "خدا" قرار دیتا ہے، خدا کا جزء نہیں مانتا[1]۔

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ ہمارے اکثر ہندوستانی پادری صاحبان جب تثلیث کو عقلی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات اُن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظرانداز کرکے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصّل، جامع اور مبسوط کتاب تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے، ڈبلیو، ہیڈن نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعۂ مقالات کا جزء ہے، جو ۱۹۴۸ء میں نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ ـــــ آگسٹائن" کے نام سے شائع ہوا ہے[2]۔

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے "تین اور ایک کے اتحاد" کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات

آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلۂ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلۂ علم ہے، گویا:

---

[1] اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جزء مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قِدَم و دوام کے منافی ہے۔

[2] ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا۔ ت

عالم (جس نے جانا) ــــــ آپ

معلوم (جس کو جانا) ــــــ زید

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ــــــ دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپکے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اور آلۂ علم بھی وہ خود ہی ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) ــــــ دماغ

معلوم (جس کو جانا) ــــــ دماغ

آلۂ علم (جس کے ذریعہ جانا) ــــــ دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلۂ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہوگئے ہیں، اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ، کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا، اور اگر کوئی پوچھے کہ آلۂ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، ـــــ آگسٹائن کہتا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے[1]،

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کرکے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

---

[1] آگسٹائن ص ۹۲، ج ۲،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعۂ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعۂ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ آلۂ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

> "یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے" (آگسٹائن، ص ۲ و ۷، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم دماغ مستقل وجود رکھتا ہے معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلۂ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں

ایک ہیں، حالانکہ عقیدۂ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے، اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں۔ــــــ

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں "وحدت" بھی حقیقی ہے، اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے، بلکہ اعتباری ہے، اس لئے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا ــــــ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محلِ نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے، وہ رحیم بھی ہے قہار بھی، عالم الغیب بھی ہے قادرِ مطلق بھی، اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں، اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، اور قادرِ مطلق کوئی اور، ــــــ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ "باپ" الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے، اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی ہیں،

دوسری مثال

آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفتِ علم سے محبت رکھتا ہے، اور اس محبت کا اسے علم ہے، لہٰذا وہ اپنے علم کے لئے مُحِب ہے، اور محبت کے لئے عالم ہے، یعنی:

دماغ ــــــ اپنے علم کے لئے ــــــ مُحِب ہے،

دماغ ــــــ اس محبت کے لئے ــــــ عالم ہے،

لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں، دماغ، مُحِبّ، عالم، اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں، اس لئے کہ محب بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے، اور دماغ تو دماغ ہے ہی، اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں، خدا کی ذات (باپ)، اُس کی صفتِ علم (بیٹا) اور اس کی صفتِ محبت (روح القدس) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں،

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذا

دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام (بیٹا) اور صفتِ محبّت (روح القدس) اس کی دو ایسی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہٰذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہے، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور عقیدۂ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے، ـــــــ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفتِ کلام اور صفتِ محبّت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفتِ کلام اور صفتِ محبّت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

حضرت مسیحؑ کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفتِ کلام (یعنی بیٹے) کا اقنوم انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیحؑ دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہانتک کی مذکورہ مثال نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اُس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہوگیا، کی تین اعتباری حیثیتیں دوبارہ زندہ ہوکر حواریوں کو دکھائی دیتے، اور انھیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلۂ علم ونہ آپ کو جو پھانسی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان

رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہوگیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا،

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں:

(۱) عقیدۂ حلول و تجسّم　Incarnation

(۲) عقیدۂ مصلوبیت　Crucifixion

(۳) عقیدۂ حیات ثانیہ　Resurrection

(۴) عقیدۂ کفارہ　Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جزء کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عقیدۂ حلول و تجسّم

حلول و تجسّم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا" (یوحنا ۱: ۱ و ۲)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

"اور کلام مجسّم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہوکر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں "کلام" خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود مستقل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفتِ کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسّم ہوکر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کرلیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہیں، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی"[لہ]

لہ Studies in Christian Doctrine P. 28

"بیٹے" کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفتِ محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی، اس لئے اس نے اپنی صفتِ محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے[1]۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک "بیٹے" کے حضرت مسیح علیہ السلام میں حلول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "بیٹا" خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہٰذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، الفریڈ ای، گارو کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

"وہ (حضرت مسیح) حقیقۃً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، اتھانی شیس نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریئے کی پرزور حمایت کی تھی، لہٰذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں[2]"

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کم رتبہ تھے، اسی لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ:

"باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

"علیٰ ہذا القیاس خدائی حیثیت سے انھوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

---

[1] ایضاً ص ۱۳۴،

[2] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۶ ج ۳ مقالہ "عیسائیت"

سے وہ خود پیدا کئے گئے"[1]

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ :-

"چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے ..... لہٰذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے افضل ہیں، اور اسی طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کمتر بھی ہیں" (ص ۸۰۹ ج ۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی؟ خالق بھی ہو اور مخلوق بھی؟ برتر بھی ہو اور کمتر بھی؟ ——— عقیدۂ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ "علم مسیحیت" (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی،

جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے[2]، رہی عقل، تو عقیدۂ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ "خدا" اور "انسان" کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے[3]، کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

---

[1] آگسٹائن ص ۸۰۹ ج ۲،

[2] ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اظہار الحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

[3] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۷۴ ج ۲۲، مقالہ "تثلیث" مطبوعہ ۱۹۵۰ء،

پائی جاتی تھیں، ایک خدا کی اور ایک انسان کی ــــــــــــ لیکن اس دلیل کو اکثر عیسائی مفکرین نے قبول نہیں کیا،[1]

اس کے بعد مختلف عیسائی مفکرین نے اس سوال کو جس طرح حل کیا، اس کا ایک اجمالی حال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

وہ جنھوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا ماننے سے انکار کر دیا،

ان میں سے ایک گروہ تو وہ تھا جس نے اس سوال کے جواب سے مایوس ہو کر یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ماننا ہی غلط ہے، وہ صرف **انسان** تھے، اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا،

مسٹر جیمس میک کنن (James Mackinon) نے اپنی فاضلانہ کتاب (From Christ to Constantine) میں ان مفکرین کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اُن کے بیان کے مطابق اس نظریئے کے ابتدائی لیڈر پال آف سموسٹا[2]

---

[1] اس لئے کہ ذرا سا غور کیا جائے تو رومن کیتھولک چرچ کی یہ دلیل بہت سطحی ہے، اس لئے کہ انگوٹھی میں جو تحریر نقش ہوتی ہے، وہ اپنے ظاہری اتصال کے باوجود انگوٹھی سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی وجہ سے کوئی انگوٹھی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ تحریر ہے، اور نہ تحریر کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب اقنوم ابن کے حلول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا تھے، اور خدا کو یہ کہتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا، اسی طرح اگر آئینے میں زید کا عکس نظر آرہا ہے تو وہ آئینے سے بالکل الگ ایک چیز ہے، اسی لئے کوئی آئینے کو یہ نہیں کہتا کہ یہ زید ہے، اور نہ زید کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آئینہ ہے، اس کے برعکس عیسائی مذہب میں حضرت مسیحؑ کو خدا اور خدا کو انسان کہا جاتا ہے، لہٰذا یہ مثال کسی طرح عقیدۂ حلول پر فٹ نہیں ہوتی،

[2] علامہ ابن حزمؒ نے اس کا نام "بولس الشمشاطی" ذکر کیا ہے (الملل والنحل، ص ۴۸ ج اوّل) یہ شخص ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریرک رہا ہے، (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۹۸ ج ۱۷)

(Paul of Samosata) اور لوسین[۱] (Lucian) تھے، مسٹر میک گفن لکھتے ہیں

"دونوں کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق یہ ہے کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے، جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسین اور اس کے مکتبِ فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی وجود تھے، جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصی کیفیت میں آگئی تھی، لہٰذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر ان کی رُوح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ "باپ" کا پیغام پہنچائیں، لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودانی[۵۲]"

گویا پال نے تو سرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیحؑ کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسین نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ خدا کی صفتِ علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کو خدا، خالق، قدیم اور جاودانی بنا دے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیحؑ بدستور مخلوق،

پال اور لوسین ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس (Arius) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جیمس میک گفن کے الفاظ میں یہ تھا:

"آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے، اور اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہٰذا نہ بیٹا جاودانی

---

[۱] لوسین (متوفی ۳۱۲ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عمر راہبانہ زندگی گذاری، اس کے نظریات پولس شمشاطی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، شمشاطہ میں پیدا ہوا تھا، لیکن زندگی کا بیشتر حصہ انطاکیہ میں گذارا (برٹانیکا، ص ۴۰۰ ج ۱۴، مقالہ لوسین)

[۵۲] *From Christ to Constantine*, London, 1936

ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں، وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں "مکمل" ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے ـــ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے[1]"۔

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس زمانے میں آریوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسکندریہ اور انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر الیگزینڈر اور اتھانا شیئس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدۂ حلول کے ٹھیٹھ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آریوس کو جلاوطن کر دیا گیا،

پولسی فرقہ

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریمؑ کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

---

[1] ایضاً،

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انھیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ "خدا کے بیٹے" کہلائے اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں[1] لیکن اس کو قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

نسطوری فرقہ

پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسطوریوس (م ۴۵۱ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدۂ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی ـــــ نسطوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

رومن کیتھولک چرچ کا فارمولا یہ تھا کہ "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں"۔ اس کے برعکس نسطوریوس کا فارمولا یہ تھا کہ: "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں" چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پرزور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اسے جلا وطنی اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا تاہم یہ فرقہ ابتک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیدون بیکر (Bethune-Baker) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

> "اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتا کہ وہ دو مستقل وجود بن گئے ...... اس نے کلمۃ اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دیدیا[2] "

---

[1] اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۹۷۳ ج ۱۷ مقالہ "پالیشینس"۔

[2] آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیدون بیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات ٹھیک سمجھا نہیں گیا، مگر پروفیسر ہارس ریلٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے افسس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے، دیکھئے Studies in Christian Doctrine P. 102

یعقوبی فرقہ اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ Jacobite church پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر یعقوب برذعانی (Jacabus Baradaeus) تھا، اس کا نظریہ آریوس اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں "دو حقیقتوں" کے ساتھ "دو شخصیتیں" ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں "حقیقت" بھی صرف ایک پائی جاتی تھی ـــــ اور وہ تھی خدائی! وہ صرف خدا تھے، گو ہمیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> "وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہوگئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی"[1]

یہ نظریہ یعقوب برذعانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو "مونوفیسی فرقے" (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بیحد زور رہا ہے[2]،

آخری تاویل مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کیا کوششیں کی گئیں؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے "بدعت"

---

[1] دی ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء،

[2] یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث تھے، اور اُن کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۳۰، ج ۱۵، مقالہ "مونوفیسی فرقے") اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل ارشاد میں غالباً انہی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، "بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے"

دار دیا، رہا اصل سوال کا جواب، تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ جاتا رہا کہ درحقیقت عقیدۂ حلول بھی ایک سربستہ راز ہے جسے ماننا ضروری ہے، مگر سمجھنا ممکن ں، (دیکھئے برٹانیکا،)

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر دور میں عقیدۂ حلول قل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہو کہ یں ٹھیک ٹھیک رومن کیتھولک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جوں کا توں سترار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی اسے پروفیسر مارس ریلٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس قسم کا حلول (جس کا رومن کیتھولک چرچ قائل ہے) اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُسی وقت ہموار ہو گئی تھی جب پہلے انسان (آدمؑ) کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا[1]، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی انسانی عنصر کو بنی آدم کے مخلوق ڈھانچے میں نامکمل طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہٰذا سچی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسانیت آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور نامکمل انسانیت رکھتا ہے، جو کبھی خدائی کا روپ نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی کیوں نہ مقیم رہی ہو، لہٰذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے،...... آخر کار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری

---

[1] یہاں مارس ریلٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہو کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔" (پیدائش ۱: ۲۷)

انسانیت سے اتنی ہی مختلف ہے جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے[۵۱]"

خلاصہ یہ ہے کہ اس تاویل کی رُو سے اگرچہ حضرت مسیحؑ کی ایک شخصیت میں "خدائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہٰذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں،

یہ ہے وہ تاویل جو پروفیسر مارس ریلٹن کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعتراضات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہلِ نظر سمجھ سکتے ہیں،[۵۲]

---

۵۱ Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144

۵۲ اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں ازل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک، پیاس، خوشی، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اس میں بھی حدوث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات بداہۃً غلط ہے، اور رومن کیتھولک چرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انھیں کیوں بھوک پیاس لگتی تھی، انھیں کیوں رنج اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزعم نصاریٰ) سُولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ جبکہ ان کی انسانیت بقول مارس ریلٹن ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرّا ہے؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا، ـــــ حالانکہ اگر کتاب پیدائش کے الفاظ واقعۃً الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے بُرے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کی طاقت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

عقیدۂ مصلوبیّت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہو کہ انھیں یہودیوں نے پنطیس پیلاطیس کے حکم سے سُولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہوگئی تھی۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پھانسی اقنوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں، سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب "دی سٹی آف گاڈ" کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں:

"پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی رُوح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں ودیعت کی گئی تھیں تاکہ وہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے جنھیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں" (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [۱] حضرت مسیح کو سُولی دینے کا قصّہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدّمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہار الحق کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے، چند سو سال پہلے انجیل برنا باس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برنا باس نے نہایت صراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو سُولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا، (ہم نے اظہار الحق کے آخری باب میں بشارات کے بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے (باقی آئندہ صفحہ پر)

پہلے گذر چکا ہے، کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری پیشین فرقے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،

صلیب مقدس

چونکہ عقیدۂ مصلوبیت ہی کی بنا پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ــــــ چوتھی صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران (غالباً خواب میں) آسمان پر صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر (بزعم نصاریٰ) حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن مناتے ہیں، جس کا نام "دریافتِ صلیب" ہے) اس کے بعد سے صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو استعمال کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذ) اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے) اس انجیل کے بارے میں تو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے ـــــ لیکن حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ ہلمین اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیلِ اربعہ" (The Four Gospels) (ص ۵، مطبوعہ میکملن نیویارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹریٹر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغۂ مجہول (Passive Voice) استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "He was taken oil" (اس کو اوپر اٹھا لیا گیا) اس سے ظاہر ہے کہ ان کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ اوپر چلا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر سفر و حضر اور آمد و رفت کے موقعہ پر، جوتے اُتارتے وقت، نہاتے وقت،
کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بیٹھتے وقت، غرض
ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابرو پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔"[1]

عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؟ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں ہمیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد "کفارہ" کا عقیدہ ہے، یعنی چونکہ ان کے نزدیک صلیب گناہوں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں،

عقیدۂ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سولی پر وفات پانے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہوگئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے،

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیلی گفتگو بیکار ہے،

عقیدۂ کفّارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ "کفّارہ" ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے، اوّل تو اس لئے کہ بقول

---

[1] صلیب کی یہ تاریخ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۵۳، ج ۶ مقالہ "صلیب" سے ماخوذ ہے،

مسٹر ڈینیل ولسن[1] یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں اُن کو درحقیقت اسی عقیدے کی تمہید سمجھنا چاہیئے، دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پیچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح چاہا بیان کر دیا[2]، اور ناواقف حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر وہ اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر عائد نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کرسکے ———— اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں "عقیدۂ کفارہ" کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

> "عیسائی علم عقائد میں "کفارہ" سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفتِ کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے[3]"

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے سمجھے بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

---

[1] Daniel Wilson, *Evidences of Christianity* V. II. P. 53 London 1830.

[2] مثال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گولڈ سیک صاحب کا رسالہ "الکفارہ" مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور، ۱۹۵۰ء

[3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ ج ۲ مقالہ "Atonement"

ہو سکتا، یہ مفروضات ہم نمبر وار درج ذیل کرتے ہیں[1]:

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انھیں ہر طرح کی راحتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انھیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے، اور اگر چاہتے تو خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے[2]۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ اوّل تو اُس وقت حضرت آدمؑ کے لئے حکم کی بجا آوری بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی کھلی آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے پورا کرنا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار "اطاعت" کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح "اطاعت" تمام نیکیوں کی جڑ ہے، اسی طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدمؑ

---

[1] ہماری نظر میں عقیدۂ کفارہ کے پورے پسِ منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفاء کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ ساتھ ہی دیدیا گیا ہے۔

[2] آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گناہ نے یہ "بنیاد" قائم کردی،[1]

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کمیت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت سے گناہ شامل ہوگئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں تکبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنے دائرۂ اختیار میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کفر اور خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو "موت" کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گمراہ کن مگر چکنی چپڑی باتوں (کی تصدیق) سے انسانی رُوح کا اخلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جس غذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے ان سے زائد کی تمنا کی تھی، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا۔"[2]

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بیحد سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ "دائمی موت" یا دائمی عذاب کے مستحق ہوگئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "شجرۂ ممنوعہ" کو دکھا کر یہ کہدیا تھا کہ:

جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا۔ (پیدائش ۲: ۱۷)

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوتِ ارادی (Free Will)

---

[1] دی سٹی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۲، ص ۲۵۷، ج ۲،

[2] Augustine, *The Enchiridion* XLV PP. 684 V. I

عطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انھیں اس بات کی قدرت عطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور بُرے کام بھی، لیکن چونکہ انھوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

> "جب انسان نے اپنی آزاد قوتِ ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوتِ ارادی کی آزادی ختم ہو گئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے" یہ پطرس رسُول[1] کا فیصلہ ہے، ..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیکی کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا"[2]

گویا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کرلیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیکی کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مبتلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایکوینا س لکھتے ہیں:

> "درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اُٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہوگئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعہ بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاصّہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا"[3]

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیکی کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

---

[1] یہ پطرس کے دوسرے خط ۲ : ۱۹ کی طرف اشارہ ہے،

[2] The Enchiridion XXX P. 675 V. 7 آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۵۹ و ۲۵۹ ج ۲ میں بھی کہی ہے،

[3] Aquinas, The Summa Theologica Q. 87, Art. 2, P. 710 V. II

اس لئے اُن کی سرشت میں گناہ" کا عنصر شامل ہو گیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ ان دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صُلب اور پیٹ سے پیدا ہوتے تھے، اس لئے یہ "اصلی گناہ" تمام انسانوں میں منتقل ہوا سینٹ آگسٹائن لکھتے ہیں:

"اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے داغدار ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھی"[۱]

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوئے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

"جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذاتِ خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، .... درحقیقت ہم نے آدم سے صرف "سزا" وراثت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں"[۲]

---

۱ Augustine, *The Enchiridion XXVI P. 673 V. I*

۲ Calvin, *Instit. bk. ii. ch. i. Sec. 8*, as quoted by *the Britannica P. 633 V. 4.* "CALVIN".

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس ایکوئیناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصلی گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے اصل میں گناہ تو روح کرتی ہے، لیکن پھر وہ گناہ جسم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے"[1]

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم "اصلی گناہ" میں ملوث ہو گئے تھے، اور "اصلی گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوتِ ارادی سے محروم ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصلی گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لد گیا جو "اصلی گناہ" کے سبب انھوں نے خود کئے تھے"[2]

۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی عذاب کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوتِ ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے اُن کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ ان گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوتِ ارادی کے فقدان کے سبب وہ اُن نیک کاموں پر بھی قادر نہ رہے تھے جو انھیں عذاب سے نجات دلا سکتے"[3]

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کر کے انھیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اٹل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتابِ پیدائش کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہو کہ "اصلی گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ "موت" کی سزا دیئے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا،[4]

---

[1] The Summa Theologica *Q. 81, Art. 3, P. 669 V. II*

[2] Augustine. *The Enchiridion XXVII P. 673 V. I*

[3] ایضاً باب نمبر ۳۰ ص ۶۷۵ ج اول،

[4] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ و ۶۵۲ ج ۲، مقالہ "کفارہ"

۹- دوسری طرف اللہ تعالیٰ "رحیم" بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، اور پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ نیکیاں کر سکیں[۱]

۱۰- لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ فطرت کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھا لے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہو، خدا اُسے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں[۲] اس عظیم مقصد کے لئے خدا نے خود اپنے "بیٹے" کو چُنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفّارہ ہو گئی[۳]، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انھوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے[۴]، اور پھر یہی بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو نیکیوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے[۵]۔

۱۱- لیکن "یسوع مسیح" کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے[۵]، بپتسمہ

---

[۱] آگسٹائن: دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۵۵، ۲۵۶ ج ۲ کتاب نمبر ۱۴ باب نمبر ۱۱،

[۲] ایضاً،

[۳] The Enchiridion L P. 687 V. I

[۴] *Ibid, 60 ch. Lii P. 688 V. I*

[۵] اس رسم کی تشریح ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

نے کا مطلب بھی یہی ہے کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا بپتسمہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، لہٰذا جو شخص بپتسمہ لے گا اس کا اصلی گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جائے گی، اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصلی گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایکوئیناس لکھتا ہے:

"جو بچے بپتسمہ لینے سے پہلے مرگئے ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے"[۱]

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پاگئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں،[۲]

۱۴۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لاکر بپتسمہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصلی گناہ معاف ہوگیا جو دائمی عذاب کا متقاضی تھا، اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہوگئے جو اصلی گناہ کے سبب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملی ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے، اگر بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کردے، تو وہ پھر دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ اُن کے لئے کافی نہ ہوگا، لہٰذا چرچ جن لوگوں کو "نفاق" Schism یا "بدعت" Heresy کے الزام میں برادری سے خارج کردے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں[۳]،

---

[۱] Aquinas, *The Summa Theologica* 87.5 P. 714 V. II

[۲] Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 641 V. I

[۳] Augustine, *The Enchiridion* LXVII P. 697 V. I

اور اگر انھوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو وہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصے
میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جس کا نام..... "مطہر"
(Pūrgatory) ہے، اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے،[۱]
بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف "کفر" ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو
یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ آگسٹائن
نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں
سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رائے کی طرف مائل ہے،

اس عقیدے کے منکر

یہ ہے عقیدۂ کفارہ کی حقیقت[۲]: عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

---

[۱] The Ench. *ch.* LXIX P. 699 V. I

[۲] عقیدۂ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص تیسرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزو پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید اُن کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں اچھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟

۲۔ پھر اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے اُن کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ ہے کہ خدا کے قانونِ عدل میں ایک کا گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تورات میں تو ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے" (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تاہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنھوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غالباً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۳) کالون نے آدمؑ کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال وبائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو یہ مسئلہ ہی محلِ نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہو، اُسے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابلِ سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے، پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابلِ سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں،

۴۔ اسی طرح اکوئیناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہو کیونکہ اصل میں گناہگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدمؑ کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد کو گناہگار قرار نہ دیا جائے،

۵۔ اگر آدمؑ کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا؟ حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے، اور اپنی انسانی حیثیت سے انھیں پھانسی پر چڑھایا بھی گیا تھا،

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضامندی سے ہی) پھانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزائیں بھگتنے کو تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ —— حزقی ایل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے،

۷۔ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی قوتِ ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کیلیس شیس (Coelestius) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

"آدمؑ کے گناہ سے صرف آدمؑ ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدمؑ اپنے گناہ سے پہلے تھے"[1]

لیکن ان نظریات کو کارتھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے "بدعتی" قرار دیا تھا، اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

عبادات اور رسمیں

اصولِ عبادت

عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کے بنیادی اصولِ عبادت کو سمجھ لیا جائے، مسٹر ریمنڈ ایبا (Raymond Abba) کے بیان کے مطابق یہ اصول کُل چار ہیں:

۱۔ "عبادت" درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ" یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مریگا" (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دوسرے باب میں ہم اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] Augustine, *On Original Sin ch. II P. 621 V. I*

[2] Raymond Abba, *Principles of Christian Worship, Oxford 1960*, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"جس طور سے ہمیں دعا کرنی چاہئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا" (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ "عبادت" درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اُسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو،

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ "عبادت" کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ "مسیح کے بدن" کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

حمد خوانی عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے، ——— ان میں سے ایک "حمد خوانی" کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان "نماز" بھی کہہ دیتے ہیں،

مسٹر ایف، سی، برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں، زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے، اتھانی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے [۱]،

۱؎ F. C. Burkitt, *The Christian Religion* PP. 152, 153 V. 3 Cambridge, 1930.

بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism) عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے، یہ ایک قسم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے، موت کے ذریعہ اسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اُسے آزادی قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے[۵۱]۔

—— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انھیں شروع میں ایک عبوری دور سے گذرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ "عیسائی" نہیں کہلاتے، بلکہ "کیٹ چومینس" (Catechumens) کہلاتے ہیں، اور انھیں عشائے ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انھیں بپتسمہ دیا جاتا ہے[۵۲]۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، یروشلم کے مشہور عالم سائرل (Cyril) نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں (Baptistry) میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

"اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں"

پھر وہ مشرق کی طرف رُخ کرکے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے، جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر سے پاؤں تک ایک دَم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

---

۵۱ Augustine, *The Enchiridion XLII P. 683 V. I*

۵۲ The Christian Religion *PP. 150, 152 V. 3*

جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں" اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے، اور پھر اسکو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے[1]

عشاء ربانی عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی مبینہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیحؑ نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:

> "جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶ : ۲۶)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ:

> "میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" (لوقا ۲۲ : ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

---

[1] یہ پوری تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۳ مقالہ "بپتسمہ" میں سا ترل کے حوالہ سے۔

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدۂ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں[۵۱]،

جسٹن کے بعد رسم بجالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی ماہیت تبدیل کرکے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائرل لکھتا ہے:

"جس وقت صدر مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندۂ جاوید اقنوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انھیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے[۵۲]"

یہ بات عرصۂ دراز تک بحث و تمحیص کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں؟ ——— یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں جب پروٹسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اُسے تسلیم نہیں ہے،

عشاء ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مندرجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal) اور مقدس اتحاد (Holy Communion)۔

---

۵۱ Justin Martyr, *Apol.* i, 65—67, quoted by F. C. Burtkitt, *The Christian Religion P. 149 V. III*

۵۲ Cyril *Cat. Myst.* K. quoted by the *Britannica P. 795 V. 8* "EUCHARIST"

بپتسمہ اور عشاء ربانی کے علاوہ رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں .... (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انھیں تسلیم نہیں کرتا، کالون لکھتا ہے:

"ان (مذہبی رسوم) میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہمارے منجی نے مقرر کی ہیں
بپتسمہ اور عشاء ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں انھیں
ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں"[۵۱]

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ[۵۲]

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصب نبوت کے لئے چُنا تھا، اور اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسرائیلیوں کو فراعنۂ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انھیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کرسکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں عمالقہ سے جہاد کرکے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کرلیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم

---

۵۱ Calvin, *Genevan confession* 16, trans. by J. K. S. Reid

۵۲ یہ خاکہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم، اور کرلیفا اور برٹانیکا سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا، بسا، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حملوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنا لیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب قضاۃ (Judges) انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہوگئی، جو حضرت داؤدؑ کے عہد تک قائم رہی،

بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے اُن سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمادے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا، جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔سموئیل ۱۳:۱)، طالوت نے فلستیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلستیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤدؑ اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہردلعزیزی عطا کردی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤدؑ کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہوگیا، ان کے بعد ۹۷۴ء ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جدامجد کے نام پر "یہوداہ" رکھا، لیکن جب ۹۳۷ء ق م میں حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رحبعام سلطنت

سے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمان کے ایک سابقہ خادم یربعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کرلی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہوگئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی، جس کا پایۂ تخت سامرہ (Somaria) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی، جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں رہ رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سدِّ باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۵۸۶ء ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کر کے لیگیا، بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گذارتے رہے۔

بالآخر جب ۵۳۶ء قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت مقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۱۶ء ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہوگئے۔

اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہوگئے تھے، لیکن انھیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہوسکی، ۳۳۰ء ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیرنگیں رہ کر زندگی گذارتے رہے، ۳۲۲ء ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہوگیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے،

۱۶۵ء ق م میں سوریا کے بادشاہ انتیوکس ایپی فینس نے ان کا بُری طرح قتلِ عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب باب اوّل) اسی دوران یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحبِ ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، اور

اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت سنہ تک قائم رہی،

حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری

مکابیوں کی اس چھوٹی سی سلطنت سے قطع نظر اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی، بحیرۂ روم کے آس پاس اُن کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آبسی تھی، لیکن اُن کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر ادومیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روما کے تابع اور ماتحت تھے، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا جس کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں رومیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرۃً ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے جو انھیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصیب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم آگسٹس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنھیں آپ کی حیاتِ طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جا سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن کی حیثیت کسی قابلِ اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

عیسائیت کی تاریخ[1]

عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے، تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

---

[1] اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ "عیسائیت" سی، پی، ایس کلیک کی مختصر تاریخ کلیسا پادری خورشید عالم کی تواریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں سے مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمہ تن دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے بہ پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو اب تک دینِ عیسوی کے پیرووں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آیا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیحؑ کی آواز سُنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرا دل دینِ عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برنا باس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دینِ عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدّ و جہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دینِ عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیرووں میں پولس کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلول و تجسّم کے عقائد کی کھُل کر تبلیغ شروع کر دی،

تواریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پولس کی کھل کر مخالفت کی لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانحِ حیات بالکل اندھیرے میں ہیں[1]، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس ہی کا اثر و رسوخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

دَورِ ابتلاء چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دورِ ابتلاء

---

[1] لوقا کی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموش ہو۔ مقدمہ کے دوسرے باب میں پولس کی تحریف دینِ عیسوی کا مفصل بیان آرہا ہے،

(Age of persecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور سے رومی مسلط تھے، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدوّن نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار فرقے عیسائی دنیا پر چھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۱۰۱ء) اگناشس (م تقریباً ۱۱۷ء) پے پیاس (م ۱۲۰ء) پولیکارپ (م ۱۵۵ء) آئرینوس (۱۷۰ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں، جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

قسطنطین اعظم

۳۰۶ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اوّل روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا، اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ، صور، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دیکر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف واکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدوّن کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے، جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدوّن کیا گیا، جو عقیدۂ اتھاناشیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے،[1]

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدوّن کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنجلک تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصۂ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا

---

[1] یہاں یہ واضح رہے کہ جو نظم عقیدۂ اتھاناشیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اتھاناشیس کی نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحث اپنے شباب پر تھے، اسی لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہد مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

قسطنطین سے گریگوری تک

۳۱۳ء سے ۵۲۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنتِ روما پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنتِ روما کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بیحد متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریک (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیر نگیں تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا "پوپ" یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہوگئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضامندی صرف دنیا کے جھمیلوں کو خیرباد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس رجحان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہوگئی تھیں، لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے، پاکم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر ہوئے ہیں،

تاریک زمانہ

۵۹۰ء میں گریگوری اوّل پوپ بنا تھا، اس کے وقت سے لیکر شارلمین (۸۰۰ء ۱۸۴ھ) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دَور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افتراق و انتشار کی وبائیں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دَور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دَور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیرنگیں آگئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

قرونِ وسطیٰ

۸۰۰ء ۱۸۴ھ سے لے کر ۱۵۲۱ء ۹۲۸ھ تک کا زمانہ قرونِ وسطیٰ کا زمانہ .... (Mediaeval Era) کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہِ وقت کے درمیان عرصۂ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، اِی، گارٹے نے اس زمانے کو تین حصّوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلمین سے لیکر گریگوری ہفتم تک کا زمانہ (۸۰۰ء ۱۸۴ھ تا ۱۰۷۳ء ۴۶۶ھ) جس میں پاپائیت فروغ پا رہی تھی،

۲۔ گریگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (۱۰۷۳ء ۴۶۶ھ تا ۱۲۹۴ء ۶۹۳ھ) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہدِ اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء ۶۹۳ھ تا ۱۵۱۷ء ۹۲۳ھ) جس میں پاپائیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں[1]،

قرون وسطیٰ میں جو اہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے؛

۱۔ نفاق عظیم نفاق عظیم (Great schism) تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر "دی ہولی آرتھوڈوکس چرچ" (The Holy Orthodox Church) رکھ لیا، نفاق عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا رتبہ باپ سے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہلِ مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نیقیاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنتِ روما دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

---

[1] یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۹ تا ۵۹۱ جلد ۳، مقالہ "عیسائیت" سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریرک کے حوالے کردے، یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افتراق کا مواد بُری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران پوپ لیو نہم ( ) نے ۱۰۵۴ء مطابق ۴۴۶ھ میں مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریرک میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور پوپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں قربان گاہ پر اناتھیما (لعنت) کے کلمات لکھدیئے، بس اس واقعے نے گرم لوہے پر آخری ضرب لگادی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہوگیا[۱]،

۲۔ صلیبی جنگیں

اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنھیں عیسائی مورخین کروسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوگیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر رُکا، اور مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کروسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء مطابق ۴۸۸ھ میں پوپ اربن دوم نے کلیر مونٹ کی کونسل میں یہ اعلان کردیا کہ کروسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی، پی، ایس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کردیا کہ جو شخص بھی اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

---

[۱] Adeney, *The Greek and Eastern Churches* P. 241 as quoted by *the Ency. of Religion and Ethics* P. 590 V. 3

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے[۱]۔

اس طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخرکار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بُری طرح شکست ہوئی[۲]۔

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا لیکن پوپ انوسینٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے زمانے سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انوسینٹ چہارم نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہوگئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روما کی سلطنت سے اکہتر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۷۶ء) پاپائیت کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس لئے اس زمانے کو "اسیریِ بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پھر ۱۳۷۸ء سے ۱۴۱۷ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس، اسپین اور نیپلس کے علاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایونن پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاقِ عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

---

[۱] Clarke, *Short History of the Church* P. 204

[۲] ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں ویکلف (Wyckliff) (متوفی ۱۳۸۴ء ۷۸۶ھ) کا نام سرفہرست ہے، جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی، اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۵ء ۷۸۷ھ میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متأثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی،

پاپاؤں کے افتراق اور "نفاق عظیم" کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء ۸۱۲ھ میں کونسل پیسا (Council of Pisa) بلائی گئی جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے الیگزینڈر پنجم کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بحری ڈاکو جان بست وسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤں کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دو کے بجائے تین پوپ ہوگئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۴ء ۸۱۷ھ میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی، جس میں "نفاقِ عظیم" کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو باتفاق بدعتی قرار دیدیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلا دیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متأثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۳۱ء ۸۳۴ھ میں باسل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

عہد اصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ

آخر کار ۱۴۸۳ء ۸۸۸ھ میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کردی، اور بپتسمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئٹزر لینڈ میں زونگلی (Zwingli) نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سولھویں صدی کی ابتدا میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہوگئی، اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہوگئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

عقلیت کا زمانہ اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور ٹکنیکی ترقی میں دنیا کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کردی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید، طعن و تشنیع بلکہ استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعومے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اُس بات کو دریابرد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیرباد کہنا پڑے، جنھیں کلیسا عرصۂ دراز سے تقدس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آرہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" ( ) کہتے تھے،

ولیم شلنگ ورتھ (۱۶۰۲ء، ۱۶۴۴ء / ۱۰۱۲ھ، ۱۰۵۴ھ) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا[۵۱]، لارڈ ہربرٹ (۱۵۸۳ء، ۱۶۴۸ء / ۹۹۱ھ، ۱۰۵۸ھ) اور تھامس ہوبس (۱۵۸۸ء، ۱۶۷۱ء / ۹۹۶ھ، ۱۰۸۲ھ) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ والٹائر (۱۶۹۴ء، ۱۶۸۸ء / ۱۱۰۵ھ، ۱۲۰۲ھ) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک وارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقیدِ حیات ہے[۵۲]،

تجدد کی تحریک

مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا رَدِّ عمل دو طرح ہوا کچھ لوگ تو وہ تھے جنھوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدّد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح وتعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے انکشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جا سکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصّوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جا سکتا ہے، اور اس کے متواتر الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جا سکتی ہے،

ڈاکٹر ٹیلین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک[۵۳] (Harnack) اور رینان

---

۵۱ Clarke, *Short History of the Church* P. 394

۵۲ عیسائیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مقالہ: "میں عیسائی کیوں نہیں ؟" ("Why I am not a Christian?")

۵۳ ہارنیک کی معرکۃ الآرا کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

(Renan) اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

احیاء کی تحریک

عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سرِ نو زندہ کرنے کی تحریک شروع ہوگئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک...... (Catholic Revival movement) کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے "عقلیت پسندوں" کے خلاف جنگ شروع کی، اور کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب سے بڑا صاحبِ اقتدار ادارہ ہونا چاہئے، اور کیتھولک عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادیت کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن سے سینکڑوں گھاؤ لیکر لوٹ رہے تھے، مادی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سنبھالا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے ان قدیم نظریات کی گود میں جا گرے جنھوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر ناکس (۱۷۵۷ء/۱۱۶۹ھ، ۱۸۳۱ء/۱۲۴۷ھ) جان ہنری نیومین (۱۸۰۱ء/۱۲۱۶ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) ہیورل فراوڈ (۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ، ۱۸۳۶ء/۱۲۵۲ھ) اور رچرڈ ولیم چرچ (۱۸۱۵ء/۱۲۳۰ھ، ۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدد اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، کاش! انھیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جس دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات کا راستہ عرب کے خشک ریگزاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے، تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمھیں سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمھیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے اس نسخہ کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی چوٹیوں[1] سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیط"[2] (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلع" کے بسنے والوں نے گیت گائے تھے اور قیدار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی[3]، جس کے قدموں پر "پتھر کے بت" اوندھے گرے تھے[4]، جس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ "جو کچھ سنا" وہی تم تک پہنچا دیا[5]، جب تک تم اس کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمھیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون، روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے ؎

به مصطفیٰؐ برساں خویش را که دین همه اوست
اگر به او نه رسیدی، تمام بولهبی ست

---

[1] استثناء ۳۳ : ۲ [2] یوحنا ۱۴ : ۱۷ [3] یسعیاہ ۴۲ : ۱۱
[4] یسعیاہ ۴۲ : ۱۷ [5] یوحنا ۱۶ : ۱۳

دوسرا باب

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ "عیسائی مذہب" کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انھیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں، اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج "عیسائیت" کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ (۱۴) خطوط بائبل میں شامل ہیں،

پولس کا تعارف ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھتے ہیں،

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلۂ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے، فلپیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:

"آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں" (فلپیوں ۳: ۵)

اور یہ روم کے شہر ترسس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۵۸:۷ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام "ساؤل" ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انھیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

"میں[۱] نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پاکر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انھیں سزا دلا دلا کر زبردستی اُن سے کفر کہلواتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جاکر انھیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آ چمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر

---

[۱] یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اُس نے اگرپا بادشاہ کے سامنے کی تھی، تقی

لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں۔" (اعمال ۲۶: ۹ تا ۱۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں "خداوند یسوع مسیح" پر ایمان لا چکا ہوں، اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

"اُس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اِس نے اِس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آتا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسس کو روانہ کر دیا" (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مِل جُل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا،

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

۱۔ حضرت عیسیٰ اور پولس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھلا تضاد ہے،

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسّم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے سرِمو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور درحقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ

سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معمّے کو اگر درست اور مدارِ نجات

بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوگا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تا وقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انھیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمھاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر مارس ریلٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) "خدا" کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

"اس کی حقیقت کا ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں! صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں[1]"

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے ذمے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوعِ انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر "تثلیث" کا نظریہ بھی انہی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے

---

[1] H. Maurice Relton, *Studies in Christian Doctrine* P.

برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ "خدا تین اقانیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں" خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ!" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو "ابن آدم" کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساٹھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو "ابن آدم" فرمایا ہے،

اب کچھ عرصے سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں، مگر ہم یہاں

لہ عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث پر اُن اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیحؑ کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۳ و زبور ۸۹: ۲۶ و یرمیاہ ۳۱: ۹ و یسعیاہ ۶۳: ۱۶ و ایوب ۳۸: ۷ و پیدائش ۶: ۲ وغیرہ) اس لئے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم، فصل دوم)

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کرسکیں گے کہ حق بات کو "مقدس نظریات" کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتداء میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر اُن کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہلِ تجدد (Modernist) کے گروہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور سنہ ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums) کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کرچکے ہیں کہ عصرِ جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کررہے ہیں:

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا؟ دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کرلینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مُصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی ہمیں یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت) مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:

"اگر تمھیں مجھ سے محبت ہے تو میرے حکموں پر عمل کروگے۔"[1] غالباً (حضرت) مسیح

(یوحنا ۱۴:۲۱) یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھ سے

[1] غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے: "جس کے پاس میری حکم ہیں اور وہ اُن پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرکے آپ نے فرمایا تھا کہ "جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے[۱]"

اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انجیل کے اصل متضمنات سے الگ ہوکر (حضرت) مسیحؑ کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیحؑ نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تنہا نیک ہے، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا رکھتا ہے[۲]،

---

[۱] یہ متی ۷: ۲۱ کی عبارت ہے ۔ تقی

[۲] اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں خود (حضرت) مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت) مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا) اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت) مسیح کی مراد کیا تھی؟......... آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہو کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے[1]"

.... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

" This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men. " ("What is Christianity" PP. 129, 130)

[1] یہ متی ۱۱: ۲۷ کی عبارت ہے، تقی

خدا کو "باپ" اور "اپنے باپ" ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہٰذا اگر "بیٹے" کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہو، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت) مسیحؑ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا۔ . . . . . . اس معنی میں (حضرت) مسیحؑ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے"[1]

آگے چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

"جس انجیل کی تبلیغ (حضرت) مسیحؑ نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ سے ہو، بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی "عقلیت پسندی" (Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں"[2]

پھر چار صفحوں کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"انجیل ہمارے سامنے اس زندۂ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت) مسیحؑ کا مطلب اور مقصد تھی"[3]

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک "خدا کا بندہ اور پیغمبر"

---

[1] Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Sounder, *New York* 1912.

[2] *Ibid* P. 147

[3] *Ibid* P. 151

ہونیکے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو،

حضرت مسیحؑ حواریوں کی نظر میں

حضرت مسیحؑ کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "تثلیث" یا "حلول" کا کوئی تصوّر نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیحؑ کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ "آقا" اور "اُستاد" کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حوارین حضرت مسیحؑ کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربّی" کہتے تھے، انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

> "مگر تم ربّی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمھارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے[1] اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمھارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳: ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیحؑ کو "ربّی" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور الٰہ کے معنی میں نہیں، لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک جملہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدۂ تثلیث یا عقیدۂ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ایک پیغمبر تھے، اور بس! حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے، "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو" (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جارہا ہے اگر عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت "یسوع ناصری" کو "ایک شخص" کہنے کے بجائے خدا کا "ایک اقنوم" کہتے، اور "خدا کی طرف سے" کہنے کی جگہ صرف "خدا" کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا" (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

"کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا ہیرودیس اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے" (اعمال ۴: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برنباس حواری فرماتے ہیں:

"دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا" (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مؤمن کہا گیا ہے،

یہ تمام عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حوارئین حضرت مسیح علیہ السلام کو "ایک شخص" اور "خدا کی طرف سے" پیغمبر اور اللہ کا "خادم (یعنی بندہ)" اور "مسیح" سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف اُن کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہٰذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کردیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہوگیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہوکر اپنے آپ کو پست کردیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا، . . . . . تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے" (فلپیوں ۲: ۶ تا ۱۱)

اور کلسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"وہ (مسیح) ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا اَن دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں" (کلسیوں ۱: ۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہوکر سکونت کرتی ہے"

(کلسیوں ۲: ۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے "خداوند" اور "ربّی" کے الفاظ تو استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں "استاد" کے ہیں، لیکن کہیں اُن کے لئے "الوہیت" یا "تجسّم" کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے،

انجیل یوحنّا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسّم کا عقیدہ انجیل یوحنّا کے بالکل شروع میں موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا" (یوحنّا ۱:۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"اور کلام مجسّم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (۱:۱۴)

یہ یوحنّا کی عبارت ہے، اور یوحنّا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسّم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنّا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا وزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنّا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنّا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنّا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دردِ سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرینیوس (م ۱۷۷ء)، آریجن (م ۲۵۴ء)، کلیمنٹ رومی (م ۲۰۰ء) اور مورخ یوسی بیس (م ۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنّا حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۱۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنّا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"جو لوگ انجیل یوحنّا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ۱۶۵ء کے لگ بھگ چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے سرنتھس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ ایپی فائنس نے ۳۷۴ء، ۳۷۷ء میں اُسے ایک طویل تذکرے کا مستحق سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسطی اور مونٹینسٹ فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بشپ نے اس کا نام "الوگی" (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیلِ یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اُس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیلِ یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟ یقیناً نہیں[1]"!

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے[2]، لیکن یوحنا بن زبدی حواری اَن پڑھ اور ناواقف تھے، (جیسا کہ اعمال ۴: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحبِ رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا[3]، حالانکہ یوحنا ابن زبدی حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے[4]، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۳، مقالہ "جان: گاسپل آف"

[2] دیکھئے ۴: ۲۷ و ۷: ۱۵ و ۹: ۲ و ۴: ۹ و ۷: ۴۹ و ۱: ۲۱ و ۴: ۲۵ و ۶: ۱۴ و ۷: ۴۰ و ۱۲: ۳۴ و ۷: ۲۲ و ۱۸: ۲۸ و

[3] دیکھئے ۱۸: ۱۵ و ۱۶ و ۳: ۱ و ۷: ۵۰ و ۱۹: ۳۸ و ۷: ۴۵ و ۱۱: ۴۷ و ۱۲: ۱۰ وغیرہ

[4] برٹانیکا، ص ۸۳ ج ۱۳ مقالہ "جان"

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرینوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ دقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے،

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں اُن کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہوگئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) ہے، جیمس میک کنن لکھتا ہے:

"یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرنیوس نے جن کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے"[۵۱]

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحبِ تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیلِ چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی"[۵۲]

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریئے کو بے چون وچرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریئے کے خلاف نظر آتے ہیں"[۵۳]

---

۵۱ From Christ to Constantine *P. 119 London 1936.*

۵۲ قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ ص ۱۳۱ جلد دوم پنجاب ریلجس بک سوسائٹی ۱۹۶۰ء

۵۳ ایضاً ص ۱۴۱ ج ۲ ،

انھوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف "یوحنّا رسول" نہیں تھا، "یوحنّا بزرگ" تھا، انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے:-

"جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنّا بن زبدی رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل نہیں، اور اُن کا نظریّہ یہ ہو کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معرّا ہے، اور اس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے مُنہ میں ڈالتا ہے[1]"

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنّا بن زبدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت خطرے میں پڑجاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنّا بزرگ" کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنّا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا[2]، یوحنّا بزرگ نوجوان، پڑھے لکھے، توراۃ کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا اظہار انھوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبولِ عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انھوں نے یوحنّا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے،

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیلِ یوحنّا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنّا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

---

[1] قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ، ص ۱۴۰ ج ۲،

[2] ایضاً ص ۱۳۷ ج ۲،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیح اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے "وہ شاگرد جس سے یسوع محبت کرتا تھا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رابع کا مصنف ہے (۲۱: ۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام سے اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

"اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا" (یوحنا ۱۳: ۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

"اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟[1]" (۱۳: ۲۵)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چہیتے اور محبوب تھے کہ انھیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی ——— جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح نے انھیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکریوتی جیسا شخص جو بقولِ اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کروایا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیح کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیح کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

---

[1] یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہو کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہو (دیکھئے متی ۲۶: ۲۱ مرقس ۱۴: ۱۸ اور لوقا ۲۲: ۲۱)

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی مکمل سوانح حیات ہیں، اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصّل ذکر ہے جن میں مریم، مرتھا، لعزر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے،

پھر اگر "یوحنا بزرگ" کے نام کا کوئی شاگرد "یوحنا حواری" کے علاوہ موجود تھا، تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیلِ اربعہ کے مصنّفین "یوحنا ابن زبدی" اور "یوحنا بزرگ" کا فرق واضح کرکے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدی، اور یعقوب بن حلفئی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب، اور یہوداہ اسکریوتی، ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کرکے انھیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کردے، (دیکھئے متی ۱۰: ۲ و مرقس ۳: ۱۶، ۱۹ و لوقا ۶: ۱۴، ۱۶ و اعمال ۱: ۱۳) اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر "یوحنا بزرگ" نامی کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں، ان کا مفصل حال کتابِ اعمال میں موجود ہے، اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی "یوحنا بزرگ" نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہوگئی تھی، کیونکہ انجیلِ یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، (یوحنا ۲۱: ۲۳) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو "یوحنا بزرگ" کو یوحنا بن زبدی" سے الگ کوئی شخصیت مانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا،

یہاں تک کہ پولیکارپ ( ) اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابلِ انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،

رہا وہ جملہ جو انجیلِ یوحنا کے بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

"یہ وہی شاگرد ہے جو اُن باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" (یوحنا ۲۱: ۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیلِ یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطۂ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

"ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کرکے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے"[۱]

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں[۲]، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخۂ سینائی ٹکس (Codex Sinaiticus) میں موجود نہیں ہیں[۳]،

---

[۱] Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels P. 430*, *MacMillan, New York 1961*

[۲] *See* Belief in Christ P. 106

[۳] The Four Gospels P. 431

لہٰذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابلِ ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پولس یا اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا[1]، اور بقول مفسر "ویسٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھا دیئے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں ( ) کے خلاف حجت قائم کی جا سکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی ہیں، عہدِ حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "اناجیلِ اربعہ" (The Four Gospels) میں کتنی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

> "لہٰذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشاں دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرینِ قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

---

[1] بلکہ فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیلِ یوحنا خود پولس کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمۂ انجیل برنابا از سید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطۂ نظر کو منوایا جاسکے، جس سے اُس زمانے کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری صدی عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ "یہ وہی شاگرد ہے.... جس نے ان کو لکھا ہے.... "اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک اور اختلافات پائے جاتے تھے[1]"

لہٰذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیلِ یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کردیا ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے حُسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہو کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا[2]،

اور اگر بہت زیادہ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر:

"پے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

---

[1] B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 431

[2] Quoted by Streeter, *Four Gospels* P. 443

خداوند کو دیکھا تھا اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی، (۱۔یوحنا ۱:۱) لیکن شاید وہ خداوند کو "دیکھنے" سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فسح کے موقعہ پر یروشلیم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس ہجوم میں شریک ہو جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستّر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف میں "بھائیو!" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو!" کا لفظ استعمال کر سکتا ہے (۱۔یوحنا، ۲: ۱۲ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستّر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے لکھ سکتا ہے۔ .... لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۰ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی تھی، جبکہ اس کی عمر ستّر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی"[۵۵]

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جا سکتا ہے، اس نقطۂ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کرلیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :-

۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،

۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،

۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح ؑ کو صرف دیکھا تھا ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

---

۵۵ Ibid P. 456

انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطۂ نظر کو منوایا جائے، جس سے اُس زمانے کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری صدی عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ "یہ وہی شاگرد ہے.... جس نے ان کو لکھا ہے ....." اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک اور اختلافات پائے جاتے تھے[۱]"

لہٰذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کردیا ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے حُسنِ ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہو کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا[۲]،

اور اگر بہت زیادہ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر:

"پے پیاس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

---

۱ B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 431

۲ Quoted by Streeter, *Four Gospels* P. 443

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی، (۱۔ یوحنا ۱:۱) لیکن شاید وہ خداوند کو "دیکھنے" سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ کرسکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فسح کے موقعہ پر یروشلیم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم میں شریک ہو جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف میں "بھائیو" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو!" کا لفظ استعمال کر سکتا ہو (۱۔ یوحنا، ۲: ۱۲ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے لکھ سکتا ہے.......... لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۰ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی"[۵۱]

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جا سکتا ہے، اس نقطۂ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کرکے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کرلیں تب بھی اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،

۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،

۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح ؑ کو صرف دیکھا تھا ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

---

۵۱ Ibid P. 156

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،
۵۔ وہ یروشلیم کا باشندہ نہیں تھا، بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا[1]
۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی! اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟
۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیلِ یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدۂ حلول وتجسّم کو بیان کیا گیا،
۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری، یا حضرت مسیح کا کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود عیسائی علماء انجیلِ یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انھیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں
ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابلِ انکار طریقے سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں :
۱۔ حلول وتجسّم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے،
۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،
۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؛ کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

---

[1] پادری برکت اللہ ایم، اے: قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۲۴ ج ۲، لاہور ۱۹۲۹ء،

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستّر سال تھی، اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گذر چکے تھے،[۱]

۵۔ چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدۂ حلول و تجسّم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنّا بزرگ نہیں ہی، بلکہ پولس ہے،

عقیدۂ کفارہ

مذکورۂ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلّل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ حلول و تجسّم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پولس نے پیش کیا ہے،

آئیے! اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی "عقیدۂ کفارہ" کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈینیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے[۲]، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، بپتسمہ اور عشاء ربانی کی رسمیں بھی اسی کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں، دوسری طرف اس عقیدے کی پشت پر جو فلسفہ ہے وہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے، لہٰذا آپ کا خیال شاید یہ ہوگا کہ اناجیلِ اربعہ میں حضرت مسیح علیہ السّلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظامِ فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور انہی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

---

[۱] کیونکہ مورخین تخمینی طور پر پولس کا سنِ وفات ۶۷ء کو قرار دیتے ہیں،

[۲] Daniel Wilson, *Evidences of Christianity* P. 53 V. II London 1830.

اسلام کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتمالیت کی بنیاد مارکس کے فلسفہ تاریخ، نظریۂ قدرِ زائد ( ) اور نظریۂ اشتراکیت ( ) پر ہے، لہٰذا کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" ( ) میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدۂ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدۂ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا،

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدۂ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں :۔

۱۔ "اس کے بیٹا ہوگا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا" (متی ۱: ۲۱)

۲۔ "فرشتے نے ان سے کہا...... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی مسیح خداوند" (لوقا ۲: ۱۱)

۳۔ "کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے" (لوقا ۲: ۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا: "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے" (لوقا ۱۹: ۱۰)

۵۔ "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے" (متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

۶۔ "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدۂ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے[۱]،

---

[۱] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۱۵۱ ج ۲، مقالہ: ATONEMENT

ان جملوں سے زائد عقیدۂ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی مشکل یہ ہے کہ اس وقت عقیدۂ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اُسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدۂ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی الذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھئے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا؟ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں، خواہ انھیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں؟

"اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے" ——— اور "یہ میرے عہد کا وہ خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے" ——— اگر پہلے سے عقیدۂ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرمارہے ہیں[1]

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوتِ ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اقنوم ابن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

---

[1] رہی کتاب یسعیاہ ۵۳: کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سو وہ ان سب جملوں سے زیادہ مجمل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصلی گناہ معاف ہو گئے[۱]؟

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدۂ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی،

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے جملے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہو گا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سا وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوائیلیس شئیس (Coelestius) کا کہنا یہی تھا[۲]، پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہِ نجات پائے جانے کے قائل تھے" (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ "کفارہ")

---

۱ خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے" (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

۲ Augustine, *On Original Sin ch. II P. 621 V. I*

ایبؔ لارڈ (Abelard) کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی حیات و موت ہمدردی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالۂ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو لبرلزم کے زمانے سے پہلے عقیدۂ کفارہ کے منکر تھے، پھر لبرلزم کے دور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہوگیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے،

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدۂ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آیئے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدۂ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہٰذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدۂ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پولس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا، تو بھی آدمؔ سے لے کر موسیٰؔ تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنھوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنیوالے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت سے آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہتیرے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راستباز ٹھیرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے

سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور
راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی
یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے...
کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے
اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے"

(رومیوں ۵: ۱۲ تا ۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ
لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے
کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ
کے جلال کے وسیلہ سے مُردوں میں سے جِلایا گیا، اُسی طرح ہم بھی نئی
زندگی میں چلیں...... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت
اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ
ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں" (رومیوں ۶: ۳ تا ۶)

یہ "کفارہ" کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ
کر آئے ہیں، یہ عقیدہ پولس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے
کا بانی بھی ٹھہرتا ہے،

تورات پر عمل کا حکم

عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہوگا کہ اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی تحقیق
کرلی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پولس نے اس
میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا
مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ اناجیل میں

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا" (متی ۵: ۱۷)

اور آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو، کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے" (متی ۷: ۱۲)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب العمل اور قابلِ احترام مانتے تھے،

لیکن پولس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجۂ ذیل اقوال سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت[1] کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھتا ہے:

"ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے" (۳: ۲۳ تا ۲۵)

اور افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"اس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور

---

[1] واضح رہے کہ بائبل میں ہر جگہ شریعت (The Law) سے مراد تورات ہوتی ہے،

پرستھے موقوف کردی" (افسیوں ۱۲، ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

"اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے" (عبرانیوں ۷: ۱۲)

اور آگے لکھتا ہے:—

"کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا" (۸: ۷)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

"جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہوجاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

ان تمام اقوال کے ذریعہ پولس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کردی، اور اس کے ہر حکم کو منسوخ کر ڈالا،

عشاءِ ربانی عشاء ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جاچکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم بنا لینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پولس نے وضع کیا ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۱: ۲۴) اور لوقا چونکہ پولس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پولس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف۔سی برکٹ لکھتے ہیں:

"اگر آپ عشاء ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کرکے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ "میری یادگاری میں یہی کیا کرو"[1]

---

[1] F. C. Burkitt, *The Christian Religion* P. 148 V. 3

ختنہ کا حکم ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے..... اور میرا عہد تمھارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا" (پیدائش ۱۷: ۱ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے" (احبار ۱۲: ۳)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس بارے میں پولس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۱)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامختونی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا" (۶: ۱۵)

۲- تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پولس نے وضع کیا ہے، تثلیث حلول وتجسم، کفّارہ، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نسخ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

وہی ہے،

گو صرف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ پولس ہی موجودہ عیسائیت کا بانی ہے، تو ہماری نگاہ میں یہ بات عین قرینِ انصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر دیئے جائیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پولس کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پولس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے تاہم کتاب اعمال، خود پولس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں، جنھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ عرب کا سفر پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پولس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعۃً حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گذارتا جنھوں نے براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دینِ عیسوی کے سب سے بڑے عالم تھے،

لیکن پولس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یروشلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلتیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

> "جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یروشلیم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً عرب[1] چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا۔" (گلتیوں ۱: ۱۵ تا ۱۷)

---

[1] واضح رہے کہ یہاں عرب سے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے جسے اس زمانے میں توسعاً عرب کہدیا جاتا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے:

"جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اُسے ایسی خاموش اور پُرسکون فضا میں رہنا چاہئے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا۔۔۔۔۔۔ اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے[1]"

اور مشہور عیسائی مؤرخ جیمس میک کنن اپنی فاضلانہ کتاب "مسیح سے قسطنطین تک" میں لکھتے ہیں:۔

"اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد۔۔۔۔ وہ عرب (نبطیریہ) چلا گیا، جس کا مقصد بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متضمنات پر غور کرے، اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت تھی اس کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی یعقوب سے ملاقات کرے[2]"

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال کا طویل عرصہ الگ تھلگ رہ کر کیوں گذارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنھوں نے براہِ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض اٹھایا تھا؟ ــــــ کیا اس کا صاف جواب اوپر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنھیں ابتک حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دینِ عیسوی قرار دیتے آئے تھے بلکہ وہ شریعت اور دینِ عیسوی کی (بقول برٹانیکا) "نئی تعبیر کرنا" چاہتا تھا۔

---

[1] برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱۷، مقالہ: پال۔

[2] Mackinon, James, *From Christ to Constantine*, London, Longmans green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پُر سکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی، اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پولس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف، جے فوکس جیکسن پولس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

"پولس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل اندازی نہ کرنی چاہئے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنما بنی ہوئی ہے، اگر یہ بات ذہن میں رہے تو پولس کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اس نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہِ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا"[1]

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے؟ آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ پولس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے[2] اس مقامِ بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہٖ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

---

[1] J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

[2] یہاں مسٹر جیکسن پولس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: "جو خوشخبری میں نے سنائی انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

ہونی چاہیئے کہ اُسے براہِ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دین عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے، ـــــ جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بنا پر دینِ عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے؟

پھر اگر حضرت عیسیٰؑ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "انقلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عید پینٹی کوسٹ کے موقعہ پر نزولِ روح القدس[1] کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انقلابی واقعہ نہ تھا، مگر پولس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی،

پولس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر پولس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دینِ عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پولس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انقلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دینِ عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں اُن کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصوّرات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے،

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے صرف

---

[1] مقابلہ کیجئے کتاب اعمال، باب ۲، اور اعمال ۱: ۸،

دو ذریعے ہیں، ایک خود پولس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پولسی اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیقِ حال کے لئے بہت مخدوش ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید اور سنگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پولس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آسکے،

پولس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ [۱۲] حواریوں میں سے جو صاحب پولس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پولس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہو گا

"اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی" (اعمال ۴: ۳۶ تا ۳۷)

اور یہ برنا باس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی، اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمھارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں:

"اور سب اس سے (پولس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنا باس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر اُن سے بیان کیا کہ اِس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی" (اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتابِ اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

"یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برنباس اور پولس ہر معاملے میں شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا، یہ واقعہ کتابِ اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، لوقا لکھتے ہیں:

"مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر اُن میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کرکے اس کام کے لئے اُن کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، اور برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گذرا۔" (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بناء پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواھد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

> "اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم (کنگ جیمیں ورژن) نے اس لفظ کے ترجمے میں لفظ (تیز، سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے، ___ پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں" ___ یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے[1]۔"

---

[1] Blaiklock, *Commentory on Acts*, edited by R. V. G. Tasker PP. 115, 119

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیقِ سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ ــــ اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیرباد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں، اس موقعہ پر پولس کے بعض معتقدین کنایۃً برنباس کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار (یوحنا مرقس) کو ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پولس کی رفاقت کو قربان کر دیا[1]، لیکن وہ پولس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ لوقا نے بیان کی ہے جو پولس کا شاگرد ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے "کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا"[2] اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا دی تھی (اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷) کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو قربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پولس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پولس دینِ عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے، اور پولس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رُو سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پولس اس الزام سے بچ جائے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے چنانچہ تیمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

---

[1] Loewenich, *Paul, His Life And Work*, trans. by G. E. Harris, *London 1960 P. 74*

[2] Ibid P. 50

ترقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے۔"
(۲- تیمتھیس ۴: ۱۱)

اسی طرح افسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا" (افسیون ۴: ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کرلیا، لیکن یہ پورے عہدنامۂ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے[۱] سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا، تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

---

[۱] اس کے بعد صرف ایک جگہ (۱ کرنتھیوں ۹: ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی بُرائی کے کرتا ہے، اور لیکن مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پولس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلیم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلیم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ اُن کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے، کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

"پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلیم سے آئے تھے، اور جو اس کے پُرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی

مخالفت کرنی پڑتی ہے[1]"

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں،

لہٰذا یہ بات انتہائی طور پر قرینِ قیاس ہو کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباس ان احکام کو پسِ پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا،

چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں. کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پسِ پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں:

> "برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دُور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔" (حیات وخطوط پولس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اسمتھ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پولس اور برنباس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

یروشلم کونسل

البتہ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

---

[1] حیات وخطوط پولس ص ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور،

پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے" اس فیصلے میں پولس کے علاوہ پطرس، برنباس اور یعقوب بھی شریک تھے،

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پطرس اور برنباس اس بنا پر پولس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختنہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباس کا مسلک پولس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یروشلیم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراض بظاہر وزنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یروشلم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پولس اور برنباس کی جدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ یروشلم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام اُن پر سرے سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے توریت کے بعض جزوی اور فروعی احکام مثلاً ختنہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دینِ عیسوی پر ایمان نہیں لا رہے تھے کہ ہمیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اخروی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختنہ کرانا اور توریت کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پا سکیں گے، چنانچہ لوقا لکھتے ہیں:

> "پھر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمھارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پا سکتے" (اعمال ۱:۱۵)

ظاہر ہے کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختنہ وغیرہ کے جزوی احکام اگرچہ دینِ موسوی اور دینِ عیسوی

میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جا سکتا تھا آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرانی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرانے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کرلیں گے کہ وہ شخص دینِ اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ایسے مواقع پر اُس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری سہی، مگر مدارِ نجات نہیں ہے، اس لئے تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو اختیار کرلو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرانے کی شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْن" minor evil کو اختیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچا لیا جائے،

بس یہی طرزِ عمل حواریوں نے اختیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یروشلم کی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی تو باتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت دی جائے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لاکر اس دین میں داخل ہو جائیں،

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جناب پطرس کی اس تقریر سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے جو انھوں نے یروشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا:

> "پس اب تم شاگردوں کی گردن پر ایسا جُوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی پائیں گے" (اعمال ۱۵: ۱۰ و ۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تورات کے بعض فروعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکے، لہٰذا اگر اس کے باوجود ہم مؤمن اور نجات کے امیدوار ہیں، تو غیر قومیں بعض فروعی احکام کو چھوڑ کر مؤمن اور نجات کی امیدوار ....

کیوں نہ بن سکیں گی؟ [1]

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یروشلیم کونسل کا موضوعِ بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟" ـــــ بلکہ موضوعِ بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟" ـــــ ہماری تحقیق یہ ہے کہ جہاں تک احکامِ تورات کے فی نفسہٖ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہٖ واجب ہیں، گفتگو اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انھیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفاء کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، اُن کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

> "مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے اُٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) ختنہ کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب ... ... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انھوں نے کہا کہ:

> "پس میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں، ہم ان کو تکلیف نہ دیں، مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں" (اعمال ۱۵: ۱۹ تا ۲۱)

اور اس کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ:

---

[1] ورنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیئے جائیں، کیونکہ پطرس نے جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی ناقابلِ برداشت کہا ہے، تقی

"ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام" (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی میننگ صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"واپسی پر انھیں (برنباس اور پولس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسا میں پورے طور پر شریک کیا جا سکتا ہے، (۱۵: ۱)

انطاکیہ میں یہ رواج تھا، اور پولس اور برنباس نے اپنے بشارتی سفروں میں اسی اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جاتا تھا، اور ان کے لئے ختنہ کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انہیں موسوی شریعت کی رسوم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یروشلیم کی کلیسا کے زیادہ کٹر یہودی مسیحی اس بات پر مصر تھے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی جائیں، پس یروشلیم کی کونسل میں انطاکیہ کے مندوبین بھیجے گئے، پولس اور برنباس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں میں راہ و ربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات ضروری قرار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کریں"

اور کہ وہ موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں[۱]"

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دینِ عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف جس کا اعلان یروشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباس اور پولس انطاکیہ پہنچے، تو پولس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے، جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں[۲]، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پولس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دینِ عیسوی کو بالکل تلپٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباس نے پولس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پولس نے اس طرح کیا ہے کہ:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲: ۱۱تا۱۴)

---

[۱] جی، ٹی مینلی: ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ، ایس، امام الدین د مسز کے، ایل ناصر ص ۲۵۴ مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، لاہور،

[۲] گلتیوں ۳: ۱۳،

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پولس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کرلی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱ [۵۱])

گلتیوں کے نام خط

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پولس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ پولس سے برگشتہ ہوگیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تمام تر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی، جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پولس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے انطاکیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شدّ و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب العمل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد وجوہ سے پولس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پولس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حواری کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہِ راست بذریعۂ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پولس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،

اس خط کا پس منظر جی، ٹی میننلی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "اس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے اس انجیل [۵۲] پر حملہ کیا تھا جو پولس نے گلتیہ کی کلیساؤں کو پہنچائی تھی،

---

[۵۱] عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ ہذا ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

[۵۲] واضح رہے کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین یا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پولس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نومریدِ مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳:۳) ..... وہ پولس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بینگن ہے، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نومریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پولس کے اختیار کو یہ کہکر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اوّل الذکر ہر صورت میں پولس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل غلتی نومریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پالیا۔"[1]

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس خط کا پسِ منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"یہ تو پولس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پولس کی انجیل کو یہودی قوانین سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحائی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے تنہا جائز راستہ توراۃ پر عمل کرنا ہے، جو تمام نومریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بُت پرستی سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں، یہ دخل اندازی کرنیوالے قدیم کلیسیا کی "یہودی مسیحی جماعت" سے تعلق رکھتے

---

[1] ہماری کتبِ مقدسہ، ص ۳۷۳ ،

تھے، انھیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر توراۃ کو خارج کیا گیا تو کلیسا کے اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، اُن لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۱۵ میں نظر آتا ہے، بظاہر اُن لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے[1]۔"

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ گلتیہ میں پولس کے مخالفین کلیسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،

۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسوی میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسوی کی تشریح و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے، پولس کو نہیں،

۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق "قدیم اور اصلی حواریوں" کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل مسیحی زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پولس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہٰذا اگر حواری اس معاملے میں پولس کے ہمخیال ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے بجائے حواریوں سے لکھواتا جس میں وہ پولس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھنا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے ہمخیال ہیں، اور وہ یروشلم کی کونسل میں یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ گلتیوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے ہمخیال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسوی کی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۹۷۰ ج ۹ مقالہ "Galatians, Epistle to the."

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہِ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے:

"اے بھائیو! میں تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا" (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو "ملامت کے لائق" اور برنباس کو "ریاکار" قرار دیتا ہے (۲: ۱۱ تا ۱۳) اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہِ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پولس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہے تھے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہکر ساری بحث ختم کرسکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے نام پولس کا خط یروشلیم کونسل سے پہلے لکھا گیا ہے[1]، اور چونکہ اس کونسل سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطۂ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پولس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خط یروشلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پولس لکھتا ہو:-

"لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (۲: ۱۱)

اس میں پولس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم کونسل کے بعد کا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

---

[1] ہماری کتب مقدسہ، ص ۲۷۳،

"گلتیوں ۲: ۱۱ میں پولس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یروشلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا[۱]۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پولس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یروشلیم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لوئی وینک اور جے پیٹرسن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں[۲]، اور اس جملے کے تیور بھی صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یروشلیم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پولس پطرس کو قابلِ ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرزِ عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہوتا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے، تو پولس اسے آسانی سے قابلِ ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یروشلیم کونسل میں پولس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پولس نے اسے قابلِ ملامت قرار دیا، لہٰذا لازماً یروشلیم کونسل انطاکیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلتیوں کے نام خط میں پولس پطرس کی انطاکیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلتیوں کا خط بھی یروشلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہٰذا ہمارے نزدیک عیسائیت کے علماءِ متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی، ٹی مینلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

---

[۱] برٹانیکا، ص ۶۴۲ ج ۱۷، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلتیوں کے نام خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالۂ بالا)

[۲] حیات و خطوط پولس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور Paul, His Life and Work by Walter Von Loewenich, trans. by Gordan E. Harris, *London 1960* P. 72

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں قریباً اسی وقت اس علاقہ (گلتیہ) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب روما کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہوگا"[۱]

نتائج مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:

۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ صحیح معنی میں دینِ عیسوی پر ایمان لاچکا ہے،

۲۔ اسی بناء پر عرصۂ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،

۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،

۴۔ یروشلیم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دینِ عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہوگا

۵۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کردی، کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور "اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۱) تو پطرس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی: (گلتیوں ۲: ۱۱)

۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہوگئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،

۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دینِ عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہِ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ و ۱۲)

---

[۱] ہماری کتب مقدسہ، ص ۳۷۳)،

۸۔ یہ خط یروشلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یروشلم کونسل کے وقت جو حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا

۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، (کیونکہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق گلتیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے) اس لئے تثلیث وحلول تجسم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انھیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

جدائی کے بعد آئیے! اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتاب اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس جملے کے بعد کتاب اعمال اُن کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ جہاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جاری رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُھند چھا جاتی ہے"[1]

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟ اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا، اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دین عیسوی میں جو تحریفات کی ہیں اُن سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انھیں ذکر کرنا پسند کرتے،

---

[1] برٹانیکا، ص ۱۱۸ ج ۳، مقالہ: برنباس،

انجیلِ برناباس یہ عقلی نتیجہ تقریباً واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سولہویں صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

"اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنھیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے، . . . . اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمھیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ" (برنباس ۱: ۲ تا ۹)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصۂ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیئس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا،[1] اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے[2]

---

[1] دیکھئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲، ج ۳ مقالہ برنباس، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۹۷، ج ۱ مقالہ جیلاشیئس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مصری مسیحی،

[2] اظہار الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص   کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

کیا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سراسر پولس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، فبأی حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون؟

پولس اور پطرس

برنباس کے ساتھ پولس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پولس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پولس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردارِ کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے،

(۱) کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پندرہویں باب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصّل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پولس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگذشت بیان کرنا ہے، پندرہویں باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے، اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

> "یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے[۱]"

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> "کتابِ اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل سے متعلق ہے، جس میں اس نے غیر قوموں سے متعلق نہایت وسیع المشربی کی پالیسی اختیار کی تھی[۲]"

---

[۱] From christ to constantine P. 116

[۲] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴۳ ج ۱۷ مقالہ: پطرس،

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحوارین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟
اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پولس کے خط کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پولس کہتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یہ پطرس کا دوسرا نام ہے) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہوکر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا" (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یروشلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، (دیکھئے مقدمہ ص ۱۵۶) لہٰذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یروشلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پولس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پولس کا شاگرد لوقا اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے کے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پولس کے خود ساختہ نظریات کے سبب اُن کا پولس سے اختلاف ہو گیا تو لوقا نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آجانے کے بعد پطرس نے بھی برنباس کی طرح پولس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، اور انھوں نے بھی پولس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پولس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، کرنتھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"مجھے خلوے کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں، میرا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولس کا کہتا ہے، کوئی اپلوس کا کوئی کیفا کا کوئی مسیح کا" (۱۔ کرنتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کیفا (یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی، جو پولس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے ہو رہے تھے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ا۔ کرنتھیوں ۱: ۱۲ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنتھس میں کیفا (پطرس) کی ایک جماعت بن گئی تھی"[1]

یروشلم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین عیسوی کو پولس کی تحریفات سے بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہے وہ سارا پولس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بابلیون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آئرینیوس، کلیمنٹ اسکندری اور ٹرٹولین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آریجن، یوسی بیس اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے، ۔۔۔۔ ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ انھیں شاہ نیرو نے شہید کر دیا تھا، آریجن کہتا ہے کہ انھیں اُلٹا لٹکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۶۲ و ۶۶۳ ج ۱۷ مقالہ پطرس)

پطرس کے خطوط

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً انہی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پولس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

"ہمارے پیارے بھائی پولس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت ہوئی تمھیں یہی لکھا ہے" (۲۔ پطرس ۳: ۱۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

---

[1] برٹانیکا، ص ۶۶۲، ج ۱۷ مقالہ: پطرس)

اِس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جس کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہے،
جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱: ۶، ۲: ۱۲، ۱۴، ۱۲ تا ۱۹ اور ۵: ۹ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گذر رہے تھے، انھیں ملامتیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں .... یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہٰذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے۔"

آگے انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے[1]

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ نازک ہے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> "جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کیتھولک خطوط میں سب سے پہلے بائبل کی فہرست میں جگہ دی گئی تھی، اس طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسکندریہ میں اسے تیسری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،

---

[1] برٹانیکا، ص ۶۴۶ ج ۱۷، مقالہ: "Peter, First Episbo of."

وہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسلّمہ میں شامل ہوا لیکن روم میں اُسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہوسکی، اور سوریا کے کلیسا نے تو اُسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس .... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا مصنف پطرس ہے،

۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازع فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامۂ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ "بداخلاقی" اور "جھوٹی تعلیم" کے جو حوالے اس میں دیتے گئے ہیں وہ کسی ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنا دیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۳ : ۱۶ میں پولس کے خطوط کو الہامی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ...... ہوسکتا ہے کہ یہ خط مصر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظرِ عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہوسکتا ہے کہ ایشیائے کوچک میں لکھا گیا ہو[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۶۴۷ ج ۱۷ مقالہ: "Peter, Second Epistle of."
جیمس میک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: From Christ to Constantine P.116;

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود محقق عیسائی علماء اس خط کو پطرس کی تصنیف ماننے سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پطرس پولس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

یعقوب اور پولس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا:

۱۔ یعقوب بن حلفئ، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۲) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامۂ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدی، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیرودیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہٰذا اُن کو اپنی زندگی میں پولس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف نجار، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اناجیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، (دیکھئے مرقس ۳: ۲۱ و یوحنا ۷: ۵) یا تو آخر وقت میں ایمان لائے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پولس حضرت مسیح علیہ السلام حیاتِ ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کو دین عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہے

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے مسٹر جیمس میک کنن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربی کی پالیسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا ..... اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی ... "غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے" باز رہے[۵۱]"

نیز ایک اور موقعہ پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یوسیفس کے مختصر نوٹ اور ہیجے سپس کے نسبۃً طویل تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی پابندیوں نے یہودیوں کے دل جیت لئے تھے[۵۲]"

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتابِ اعمال میں یعقوب کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پولس کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۲۱: ۷ا تا ۲۶)

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوب ان نظریات کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پولس نے بعد میں اختیار کرلئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب کی طرف منسوب ہے سو اس کے بارے میں جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے[۵۳]"

---

۵۱ From Christ to Constantine P. 95

۵۲ *Ibid P. 119*

۵۳ *Ibid P. 120*

یُوحنّا اور پولس

پطرس اور برنباس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنّا بن زبدی کا ہے، اور بقول میک کنن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برنباس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے یک بیک غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیس میک کنن لکھتے ہیں:

"پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، . . . . یروشلم کو خیرباد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں"[1]

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برنباس پولس سے ناراض ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اسی وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، بظاہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پولس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد اُن کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنّا کے نام سے عہد نامۂ جدید میں موجود ہیں، سو اُن کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علماء متاخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنّف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،[2]

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۱۸،

[2] دیکھئے مقدمہ، صفحہ ۱۱۶

دوسرے حواری

یہ تو وہ حوارئین تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامۂ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے ان کے علاوہ جو دوسرے حوارئین ہیں اُن کے حالات اُن سے زیادہ پردۂ راز میں ہیں، اُن کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پولس سے اُن کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیمس میک کنن لکھتے ہیں:

"بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی، .... روایات اُن میں سے مختلف حضرات کی طرف گال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں.... یوسی بیس (۱/۳) کہتا ہے کہ توما پرشیا چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمالِ توما کی روایت یہ ہے کہ وہ مصر اور بحرِ ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ف)، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندراوس اسکائنشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، تدّاوس (یعنی یہوداہ تدّاوس) اڈیسہ میں مقیم ہوگئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط وکتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دینِ عیسوی کا پیرو بنایا۔"

آگے فلپّس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ توما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے"[1]

---

[1] From Christ to Constantine P. 121

نتائج اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو تو وہ تھے جو یروشلم کونسل سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب[۱] بن زبدی (اعمال ۱۲: ۲) اور یہوداہ[۲] اسکریوتی (اعمال ۱: ۱۸)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب[۳] بن حلفئ، توما[۴]، برتلمائی[۵]، یہوداہ[۶] تداوس، اندر اوس[۷]، فلپس[۸] اور متی[۹]،

۳۔ باقی تین حواریین میں سے برنباس[۱۰] اور پطرس[۱۱] کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کونسل کے بعد پولس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا[۱۲] بن زبدی رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباس کی طرح یروشلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تجزیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حواریوں نے پولس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دینِ عیسوی کی تحریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور گلتیوں کے نام خط میں (جو پولس کا پہلا خط ہی) اُن نظریات پر جمے رہنے کا اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جُدا ہو گئے،

اس لئے کتابِ اعمال میں یروشلم کونسل کے حالات تک پولس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہی کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پولس کے نظریات تثلیث، تجسّم اور کفّارہ وغیرہ میں اس کے متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پولس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعۃً پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کر کے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو گیا؟

جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزور کچل ڈالا، بلکہ وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلتا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصلِ دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱- پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یروشلم کونسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکلیہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، انہی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام اپنا معرکۃ الآرا خط لکھا تھا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے[1] تھے،

۲۔ یہ مخالفت پولس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جیمس میک کنن لکھتے ہیں:-

"یہ سمجھنا غلط ہے کہ پولس یا انجیل یوحنا کے مصنف[2] کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور با اثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پولس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پولوسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ماننے والے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پولس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے زمانے میں بھی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا[3]"۔

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرینوس، ہپولیٹس، ایپی فانیس اور آریجن ایک فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے نصرانی (Nazarenc) اور .... ابیونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے[4]"

---

[1] دیکھئے مقدمہ ص ۵۳ و ۱۵۴، بحوالہ برٹانیکا، ص ۱۷۱، ج ۹،

[2] پیچھے گذر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پولس کا بالکل ہم خیال تھا،

[3] From Christ to Constantine ch. VII

[4] J. M. Robertson, *History of Christianity*, London 1913 P. 5

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آرینیوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

اُن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے[۱]"

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سموسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو سنہ ۲۶۰ء سے سنہ ۲۷۲ء تک انطاکیہ کا بطریرک[۲] رہا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں لوسین اور آریوس مستقل مکاتب فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے تو تثلیث کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زوروں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

"ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے، جو تمام تر مذہبی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانۂ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک چھت کے نیچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے، لیکن نیزوں سے نہیں، بلکہ زبانوں سے[۳]"

---

[۱] برٹانیکا، ص ۸۱ ج ۷ مقالہ: Ebionites

[۲] تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ ص ۶۲ اور اس کے حواشی،

[۳] Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. IV

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب On the Trinity میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اول تو جیمس میک کنن لکھتے ہیں:-

"یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کل تین سو بشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی[1]"

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

"جونہی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیا گیا[2]"

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیمس میک کنن کے الفاظ میں سنئے:

"اتھاناشیس کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذا رسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہار رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی"

جیمس میک کنن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتے رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

---

[1] From Christ to Constantine P. 91

[2] ایضاً

بزور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور وہ اُس وقت تک کثیر تعداد میں باقی رہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزور ختم نہیں کر دیا،

آخری زمانے میں

اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی قرار دینے کا نظریہ تنہا ہمارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنھوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"مصنفین کا ایک مکتبِ فکر جس میں سے ڈبلو، ریڈ (W Wrede) کو بطورِ مثال ذکر کیا جا سکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں ہے، تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس "کلیسائی عیسائیت" کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یا تو یسوع کی اتباع کر و یا پولس کی" ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جا سکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولسی مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ، کفارہ اور منجی کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو شامل ہے، بلکہ ..... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمامتر متصوفانہ روش جو اسے ذریعۂ نجات وکفارہ قرار دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی ان تعلیمات سے متناقض ہے جو انھوں نے خدا اور انسان کے صحیح رشتے سے متعلق پیش کی ہیں[1]"

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۲۹۵ ج ۱۷، مقالہ "پولس"۔

۲۔ اور پولس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لوئی وینک (Walter Von Loewenich) لکھتا ہے:

"پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پولس کو جو واقعی طور پر ابراہیمؑ کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی "فریسیوں کا فریسی" تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیمیافتہ ہیں انھیں پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہیے،

آج بھی کلیسا اپنے "پولسی ورثے" کی بنا پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پولس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، .... یہ پولس ہی تھا جس نے یہودی قربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے عین درمیان انجام دیئے، جو ہر چند کہ یہودی تھے، مگر اوّل تو یہودی انداز میں پولس کی بہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک "ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب" کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے"

۳۔ لی گارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لوئی وینک لکھتے ہیں:

"عصرِ حاضر میں پولس کے بیشتر مخالفین انہی خطوط پر سوچتے ہیں جو لیگارڈ نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پولس کے درمیان پایا جاتا ہے، ..... اُس شخص کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصلی تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا[۱]"

---

[۱] Loewenich. *Paul, His Life and Work* trans. by G. E. Harris, *London P. 5*

۴۔ اگرچہ خود لوئی وینک پولس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چیمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ :

"اس نے (یعنی پولس نے) عیسائیت کو ٹکڑے کرکے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو لیسوع کے نام پر بنے"[۵۱]

نیز آگے چل کر ایک جگہ لوئی وینک کہتے ہیں :

"اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا"[۵۲]

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لوئی وینگ کے نزدیک یہ پولس کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تحریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمس میک کنن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں، اور انھیں کسی طرح بھی پولس کا مخالف نہیں کہا جا سکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ :

"پولس کا اندازِ فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ اندازِ فکر لیسوع کے اندازِ فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، ...... یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پولس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے .... اس لحاظ سے پولس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہِ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے"[۵۳]

---

۵۱ Ibid P. 6 ۵۲ Ibid P.71

۵۳ Mackinon, James, *From Christ to Constantine* PP. 91,92.

۶۔ پولس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پولس کے حامی ہیں، پولس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

"اگر پولس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی"[۱]

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Restored) کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریوس (Robert Graves) اور جوشوا پوڈرو (Josnua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پولس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پولس نے بُری طرح بگاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے[۲]

ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت "مشتے نمونہ از خروارے" کی ہے، ورنہ اگر پولس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھلانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے،

امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمامتر پولس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام "عیسائیت" کے بجائے "پولسیت" ہے، ــــــ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ؛

---

[۱] Foakes Jackson, *The Life of St. Paul*, *London 1933 P. 18*

[۲] *see* The Nazarene Gospel Restored, *Cassell 1953 PP. 19, 21*

تیسرا باب

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ
مصنّف "اظہار الحق"

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اُن خدامست مجاہدین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انھوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آوازہ بلند کیا تھا، جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنھوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی مؤثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دینِ اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنھوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ انہی مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گِنی چُنی ہوا کرتی ہیں، انھوں نے اگر ایک طرف عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کردیں، تو دوسری طرف وہ ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے، اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ ولولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبالؒ نے انہی جیسے سرفروشوں کے لئے کہا تھا کہ ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بہ جلوت اندو کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بہ خلوت اندو زمان و مکاں در آغوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند

مولاناؒ کے آباء واجداد

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانہ کے مشہور و معروف عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں[1]، آپ کے جدّ امجد شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنویؒ کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ "قاضیِ عسکر" کے نام سے سلطنتِ ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان خاس مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء مقرر کئے جاتے تھے، جو فوج کے تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضیِ عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطانؒ نے سومنات پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اور پانی پت کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کرلیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے،

شیخ عبد الرحمٰن گازرونیؒ کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبد الکریمؒ کے نام سے گذرے ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے آٹھویں جدّ امجد ہیں، یہ دربار اکبری کے مشہور طبیب تھے، اور "حکیم بینا" کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی رانوں کے بیچ میں سینگ مار کر اُسے زخمی کردیا، علاج کیا گیا، مگر افاقہ نہ ہوا، تو ابو الفضل کے مشورے سے "حکیم بینا" کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ سات روز کے بعد صحت ہوگئی، اس پر شہنشاہِ اکبر نے حکیم بینا صاحبؒ کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم

---

[1] مفصل نسب نامہ کے لئے ملاحظہ ہو "ایک مجاہد معمار" از مولانا محمد سلیم صاحب، ص ۸، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ،

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۹۱۵ھ میں قصبہ کیرانہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا، شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرب خان کا لقب دیا، بعد میں جہانگیر نے انھیں صوبہ دکن اور گجرات کا اور شاہجہاں نے صوبہ بہار کا گورنر متعین کیا تھا،

حکیم محمد احسنؒ کے دوسرے بھائی حکیم عبدالرحیم صاحبؒ (جن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ آتے ہیں) بھی اپنے بھائی کی طرح صاحبِ منصب جاگیر اور جہانگیر کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحبؒ کو کیرانہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے منتقل ہو کر کیرانہ میں آباد ہو گیا تھا، حکیم محمد احسنؒ اور حکیم عبدالرحیمؒ دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچہریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرانہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزکِ جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے[1]، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نولکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

ابتدائی حالات حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے انہی مکانات میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، مولاناؒ نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

---

[1] شہنشاہ جہانگیر لکھتا ہے "جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرب خاں کی جاگیر پرگنہ کیرانہ میں نزولِ اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں" ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہلِ محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی سیر سے میں بہت محظوظ ہوا، اور بہت تعریف کی۔" (تزکِ جہانگیری مترجمہ مولوی احمد علی رامپوری، ص ۳۴۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء)

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، سنہ ۱۲۵۰ھ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحبؒ دہلی میں مہا راجہ ہندو راؤ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے، اور دھیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولاناؒ مدرسے سے اپنے والدؒ کے پاس آگئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میر منشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولاناؒ نے علیحدگی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علمی شہرت سنکر وہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا، اور ان سے مسلّم الثبوت اور میر زاہد کا درس لیا،

اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیات صاحب[1] اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرفِ تلمّذ حاصل ہے:

(۱) مولانا احمد علی صاحبؒ بڈولی ضلع مظفر نگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہوگئے تھے

(۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب چشتیؒ یہ استاد شاہ وقت تھے، تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اُن کا مزار ہے،

(۳) مولانا امام بخش صاحبؒ صہبائی، ان سے فارسی پڑھی،

(۴) حکیم فیض محمد صاحبؒ، ان سے علم طب کی تکمیل کی،

(۵) مصنف لوکارثم سے ریاضی پڑھی،

تدریس ہندوستان میں حضرت مولانا کیرانویؒ کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولاناؒ کو اتنی مہلت نہ دی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علمی

---

[1] سر سید احمد خاں نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائق رشک تھا" (آثار الصنادید ص ۲۱ تا ۲۲ ج ۲)

سے فراغت کے بعد اور سنہ ۱۲۷۰ھ سے قبل مولاناؒ نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا[1]
اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد تسلیم صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ
مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری، (مصنف حمد باری)
۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی
۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری
۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب
۵۔ مولانا شاہ شرف الحق صاحب صدیقی (مشہور مناظرِ عیسائیت و مصنف "دافع البہتان
واستیصال دین عیسوی)
۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی
۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دجانوی
۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی
۹۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس
۱۰۔ مولانا بدر الاسلام صاحب عثمانی کیرانوی مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولاناؒ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقۂ درس سینکڑوں
طلباء اور علماءِ وقت پر مشتمل ہوتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ
ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومتِ ہاشمیہ،
۲۔ شیخ احمد النجارؒ سابق قاضی طائف
۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادی
۴۔ شیخ محمد حسین الخیاطؒ بانی مدرسہ خیریہ مکہ مکرمہ

---

[1] "ایک مجاہد معمار" ص ۱۸ و ۱۹ مطبوعہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ،

۵۔ شیخ احمد ابو الخیرؒ مفتی الاحناف مکہ مکرمہ
۶۔ شیخ اسعد الدہانؒ، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
۷۔ شیخ عبدالرحمن سراجؒ شیخ الائمہ و مفتی الاحناف بمکۃ المکرمۃ
۸۔ شیخ محمد حامد الجدادیؒ، قاضی جدہ
۹۔ شیخ محمد عابد المالکیؒ مفتی المالکیۃ بمکۃ المکرمۃ والمدرس بالحرم الشریف
۱۰۔ شیخ عبداللہ دحلانؒ، من مشاہیر علماء الحرم[1]

گھریلو حالات

۱۲۵۶ھ میں مولاناؒ کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اگلے سال پھر مہاراجہ ہندوراؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی باڑہ ہندوراؤ میں بلالیا، اور حضرت مولاناؒ کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیکھ بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۲۷۰ھ میں مولاناؒ کا ایک سالہ لڑکا فوت ہوگیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہوکر انتقال فرماگئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ نے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ تردید عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہوگئے،

ردّ عیسائیت کی خدمات

شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولاناؒ نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف "ازالۃ الاوہام" فارسی زبان میں لکھنی شروع کی، حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہم مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

> "ازالۃ الاوہام زیر ترتیب تھی، کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوگئے اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی،

---

[1] "فرنگیوں کا جال" مصنفہ جناب امداد صابری، ص ۲۳۰ و ۲۳۱، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۹ء۔

اعزہ، واعزاء تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدتِ مرض سے پریشان تھے، ایک روز نمازِ فجر کے بعد آپ رونے لگے، تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزاء نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا "بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی رونے کی وجہ یہ ہو کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں "اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیفِ ازالۃ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعثِ شفاء ہوگی" حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے"[لہ]

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فانڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگروہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے "میزان الحق" نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانوی رح نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا مؤثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فانڈر کے ساتھ کسی مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کرکے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

لہ "ایک مجاہد معمار" ص ۱۹ و ۲۰،

فانڈر سے مناظرہ

چنانچہ مولاناؒ اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فانڈر سے ملنے تشریف لے گئے، تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ رمارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولاناؒ نے پادری فانڈر سے خط وکتابت شروع کی، فانڈر شروع میں پہلو تہی کرتا رہا، بالآخر ۷ راپریل ۱۸۵۴ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پاگیا[۱]، طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پیر کے دن ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عبد المسیح اکبر آباد (آگرہ) میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولاناؒ کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معاون تھے، اور فانڈر کے ساتھ پادری فرنچ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتھ، صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرسچن سیکنڈ مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمانِ حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ تقریباً چھ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریفِ[۱] بائبل، وقوعِ نسخ[۲]، تثلیث[۳]، رسالتِ[۴] محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیتِ[۵] قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانویؒ غالب آئے تو فانڈر مسلمان ہوجائے گا، اور اگر فانڈر غالب آئے تو مولاناؒ عیسائی ہوجائیں گے،

مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولاناؒ اعتراضات کریں گے اور فانڈر جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہوگی[۲]، سب سے پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولاناؒ نے پہلے "نسخ" کی حقیقت واضح

---

[۱] یہ پوری خط وکتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الشریف" کے نام سے شیخ رفاعی خولیؒ نے کیا ہے، جو اظہار الحق مطبوعہ مطبع علیہ استنبول ۱۳۱۵ھ کے حاشیہ پر چھپا ہے،

[۲] البحث الشریف فی مسئلتی النسخ والتحریف علی ہامش اظہار الحق ص ۶ ج ۱

فرمائی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فانڈر نے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس، باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فانڈر نے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ:-

"زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں،

فانڈر نے کہا: "لیکن الفاظ تو عام ہیں"

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسائی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں "میری باتیں" سے مراد وہ باتیں ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں،

تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد فانڈر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے"

فانڈر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

"گھاس مُرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے"[1]

---

[1] یہ یسعیاہ ۴۰: ۸ کی عبارت ہے،

لہذا اگر "کلام کے زندہ اور قائم" ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو تورات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہیئے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں،

فانڈر نے لاجواب ہو کر کہا کہ "میں اس وقت صرف انجیل کے نسخ سے بحث کرتا ہوں" ——— اس پر ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی قربانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرامکاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا[1]، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک اُن چیزوں میں سے بھی صرف حرامکاری ناجائز رہ گئی ہے،

فانڈر نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے اور ہم بتوں کی قربانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں،

اس پر مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پولس نے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں لکھا ہے کہ،

"مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔"

اور ططس کے نام خط کے باب اوّل آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں!

فانڈر نے زچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فانڈر نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

---

[1] حواریوں کا یہ فتویٰ اعمال ۱۵: ۲۹ میں مذکور ہے، ت

کا منسوخ ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کرلیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہوجائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فانڈر نے کہا: ٹھیک ہے؛ اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے،

تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فانڈر سے پوچھا کہ: آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کرسکیں؟

فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا:

"یہ بتلایئے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے؟"

فانڈر نے کہا: نہیں؛ ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے"

مولاناؒ نے فرمایا: "میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرفِ نظر کرکے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟"

فانڈر نے کہا: "میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا"

اس پر مولاناؒ نے کہا کہ: "مورخ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارہویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹن شہید نے طریفون یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کرکے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامۂ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کردی تھیں"

یہ کہہ کر مولاناؒ نے واٹسن ج ۳، ص ۳۲ اور تفسیر ہورن ج ۴ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آٹرینوس، کریب، سلیر جیس، وائی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے،

اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جسٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلامِ الٰہی ہونے کا دعوے کر کے یہودیوں پر انھیں مٹانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔"

اس پر فانڈر نے کہا کہ: "جسٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہوگئی۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اوّل میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف ۱۳۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔"

فانڈر نے جواب دیا: "ہنری اور اسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفسّر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماءِ متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔"

فانڈر نے کہا: "یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵: ۴۶ و لوقا ۲۴: ۲۷ و ۱۶: ۳۱ میں عہدِ نامۂ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی۔"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا: "تعجب ہے کہ آپ اسی کتاب سے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہوجائے آپ اس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کرلیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اُن کے بارے میں محقق پیلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵۰ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے اس سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہد قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں، لہٰذا ان سے کتب عہد قدیم کی حرف بحرف اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔"

فانڈر نے کہا: "اس معاملے میں ہم ہیلی کی بات نہیں مانتے۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "اگر آپ ہیلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے، ہمارے نزدیک ہیلی کا کہنا درست ہے۔"

تھوڑی سی بحث وتمحیص کے بعد فانڈر نے کہا:

"میں نے توراۃ کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے۔"

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا:

"اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سننا چاہتے ہیں تو سنئے"۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱: ۱۷ پڑھنی شروع کی، جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،

فانڈر نے یہ سنکر کہا: "غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز"

ڈاکٹر صاحب نے کہا: "اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہئے، لہٰذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی"

فانڈر نے کہا: "تحریف صرف اس وقت ثابت ہوسکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت دکھلائیں کہ جو پرانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو"

اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷، ۸ کا حوالہ دیا[۱]،

---

[۱] ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۶ء و کیتھولک بائبل ناکس ورژن انگریزی مطبوعہ میکملن لندن ۱۹۶۳ء و کنگس جیمس ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۸ء میں اس طرح ہے،

"آسمان میں گواہ تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور زمین کے گواہ تین ہیں، روح، پانی اور خون، اور تینوں متفق ہیں"

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک الحاقی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہے، کریسباخ اور شولز اس کے محرف ہونے پر متفق ہیں، اور ہورن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۹ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء میں یہ جملہ ساقط کردیا گیا ہے، تقی

فانڈر نے کہا: "ہاں! اس جگہ تحریف ہوئی ہے، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی"

دیوانی عدالت کا صدر جج اسمتھ جو پادری فرنچ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سُنا تو اس نے پادری فرنچ سے انگریزی میں پوچھا:

"یہ کیا بات ہے؟"

فرنچ نے جواب دیا:

"ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے"

اس کے بعد فرنچ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

"پادری فانڈر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے"

اس پر بعض مسلمانوں نے "مطلع الاخبار" کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراف شائع کر دیں، تو فانڈر بولا:

"ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں"

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"اگر کسی وثیقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے"

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج اسمتھ کی طرف دیکھا، مگر اسمتھ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

"دیکھیے! مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا، اور آپ کے اعتراف سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے"

اس پر فانڈر نے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے باقی بحث کل ہوگی"

مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے فرمایا:

"آپ نے آٹھ جگہ تحریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھیے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سندِ متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تحریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا اُن کی تحریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تحریف کی بحث ختم نہ ہو جائے آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے"

فانڈر نے کہا: "ہمیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبیؐ کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"

مولاناؒ نے فرمایا: "یہ شرط منظور ہے، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے"

ڈاکٹر وزیر خان بولے: "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتادیں"

فنڈر نے کہا: "نہیں، اب دیر ہو گئی ہے، کل ہی سنیں گے"

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہو گئی۔

مناظرے کا دُوسرا دن

پہلے (دن) کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے

اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فانڈر نے ایک طویل تقریر میں قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھی، اور قرآن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم نے نہایت معقول اور مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح بائبل کے بہت سے مقامات پر تحریف ثابت کی، بالآخر فانڈر اور فرنچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کا سہو ہیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے "متن" کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

حاضرین نے پوچھا: "متن" سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

فانڈر نے کہا: "وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیتِ مسیحؑ، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے۔"

مولاناؒ نے فرمایا، یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریف کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ (بقول آپ کے) "متن" ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے۔"

فانڈر نے کہا: اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محرّف ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔"

مولاناؒ نے فرمایا: "آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتاب مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے۔

فرنچ نے کہا: آپ نے بائبل کے جن مفسّرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسّرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں۔

مولاناؒ نے فانڈر سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ نے ابھی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟"

فانڈر نے کہا: "جی ہاں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "اِنہی مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟"

فانڈر نے کہا: "نہیں"!

مولاناؒ نے فرمایا: "اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدۂ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی[1] طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اُن کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں"

فانڈر نے کہا: "بہرحال: عقیدۂ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانیں گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں"

حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: "یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے اتنے بڑے حصے میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہے کہ اُسے بے نقص مانا جائے"

اس پر بحث ختم ہوگئی[2]، اور فانڈر تیسرے دن مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولاناؒ سے اپریل ۱۸۵۴ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانی مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمام حجت کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو "مباحثۂ مذہبی" اور "مراسلات مذہبی" کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبعہ منعمیہ اکبر آباد ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور

---

[1] یعنی ہمارا ان کے اعترافات سے استدلال کرنا اس لئے درست ہے کہ اگر حقیقۃً بائبل کے ان مقامات پر تحریف نہ ہوئی ہوتی تو یہ عیسائی مفسر ہرگز تحریف کا اعتراف نہ کرتے، ان کا اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تحریف ناقابلِ انکار طریقے پر ثابت ہوگئی ہے،

[2] ہم نے اس بحث کا نہایت مختصر خلاصہ لکھا ہے جو "البحث الشریف" سے ماخوذ ہے، پورے مناظرے کے لئے اسی کتاب کی طرف مراجعت کی جائے،

پادری فانڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے، اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے بہت سے نسخوں میں حاشیے پر چھپا ہوا ہے،

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفاعی خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں اُن بے شمار لوگوں سے سُنا، جو اُس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فانڈر اس میں مغلوب ہوا تھا"[1]

جہاد ۱۸۵۷ء

مناظرے کے بعد تین سال تک مولاناؒ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جما لیے، اُس زمانے کے علماء کی ایک خدامست جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بساط و ہمت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا

۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی درحقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحۂ عمل کے تحت پیش نہیں آیا تھا[2]، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کر لیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان چڑھتے رہے، ادھر انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیشِ نظر انھیں اپنی فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہا ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

---

[1] البحث الشریف علی ہامش اظہار الحق، ص ۵ ج اول، مطبوعہ استنبول،

[2] ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے اس پہلو پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلانہ تصنیف "سوانح قاسمیؒ" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اکابر دیوبند نے اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوانح قاسمی" ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۲، ت

فوج باغی ہوگئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصّوں میں مختلف جتھے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس جہاد کا ایک امیر منتخب ہوا، تواریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن امراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ امیر، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ امیر جہاد، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحبؒ مولانا نانوتویؒ کے باورچی بی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وزیر لام بند قرار پائے[۱]، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گڑھی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ امیر، اور چودھری عظیم الدینؒ صاحب مرحوم سپہ سالار تھے[۲]، اُس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ:

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"

اس دور کی تواریخ و سیر سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

---

[۱] سوانح قاسمی، ص ۱۲۷، ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۷۳ھ،

[۲] چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے پاس مکہ معظمہ آگئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد معمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولاناؒ کیرانہ کے محلّے دربار میں موجود ہیں، اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلّے دربار کا محاصرہ کر لیا، اسی محلّے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلّے کی تلاشی لینی شروع کر دی، عورتوں اور بچّوں کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، مولاناؒ بذاتِ خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے زرد پوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجیٹھ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولاناؒ کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجیٹھ تشریف لے چلیں،

چنانچہ اُن لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا مُکھیا ایک مخلص مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اُس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی "باغی" کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولاناؒ پنجیٹھ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلّی دینے کے لئے چرواہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

ہجرت ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولاناؒ پنجیٹھ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولاناؒ کو گرفتار کرنے کے لئے پنجیٹھ روانہ ہوا، گاؤں کے مُکھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولاناؒ سے گذارش کی کہ کھرپا لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولاناؒ تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری، مولاناؒ خود فرماتے تھے:

"میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں، اور میں اُن کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا"

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، مُکھیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولاناؒ کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولاناؒ کی روپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو پالیا تھا، مولاناؒ پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو "مفرور باغی" قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا،

ہجرتؐ کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولاناؒ نے یہ حالات دیکھ کر ہجرتِ حجاز کا عزم فرمالیا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کھیل نہ تھا، لیکن مولاناؒ کی اولوالعزمی جرأت و حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کرادیئے، مولاناؒ نے اپنا نام بدل کر "مُصلح الدین" رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولاناؒ نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کرہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمت اللہ جو ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و آرام میں پلے تھے، جے پور اور جودھپور کے وحشت خیز ریگستانوں اور مہیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم و استقامت اور صبر و استقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہونچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، غرض چند در چند آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" کا شرف عطا ہوا ہے،

جائداد کی ضبطی ادھر مولاناؒ حجاز روانہ ہوئے، اور ادھر آپ پر غائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کرادیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے:-

"انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال آلدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی"

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں:

(۱) سرائے کھجور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چوڑھے، " " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الٰہی،

(۴) سرائے قصاباں،

(۵) سرائے لوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعاتِ زمین اور مکانات ۲۰۴۱ روپے میں نیلام ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزروعہ علاقے جو بحق سرکار ضبط ہوئے اس کے علاوہ ہیں،

بیعت اللہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور باب العمرہ سے متصل رباطِ داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ رہے، اس کے بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریفِ مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

۱؎ تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند، ص ۶۷۵،

رحمت اللہ صاحبؒ اکثر شیخ العلماءؒ کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماءؒ شافعی المذہب تھے اس نے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ حنفیہؒ کے دلائل کو کمزور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولاناؒ نے شیخ سید احمد دحلانؒ سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علمی گفتگو سے شیخ العلماء کو اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولاناؒ سے حقیقت حال دریافت کی، مولاناؒ نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخؒ نے مولاناؒ کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ شیخؒ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخؒ نے اس پر بیحد مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولاناؒ سے دیر تک بغلگیر ہوئے، اسی مجلس میں انھوں نے آپؒ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا، مولاناؒ شیخ دحلانؒ سے بہت متاثر تھے، اظہار الحق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

قسطنطنیہ کا پہلا سفر

۱۸۵۷ء کے بعد پادری فانڈر جرمنی، سوئیٹزرلینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیان کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا، جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیق حال کے لئے شریف مکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ: "حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فانڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کرکے باب خلافت کو مطلع کیا جائے"

شریف مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے فوراً خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطانؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولاناؒ کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فانڈر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطانؒ نے مولاناؒ کی تشریف آوری پر ایک مجلس علماء منعقد کی، جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولاناؒ سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۵۷ء کے حالات سُنے، دولت عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطانؒ پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولاناؒ کو بلاتے خیر الدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطانؒ نے حضرت مولاناؒ کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعت فاخرہ کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجۂ دوم عطا کیا، اور مولاناؒ کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

اظہار الحق کی تصنیف

سلطان عبد العزیز خانؒ اور صدر اعظم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولاناؒ عربی زبان میں ایک کتاب تصنیف فرمائیں، جس میں اُن پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہ رجب ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولاناؒ نے "اظہار الحق" لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کے اندر اسے مکمل کر کے سلطانؒ کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولاناؒ نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد دحلانؒ کے حکم کو قرار دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولاناؒ سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنینؒ کی خواہش پر لکھی ہی، اس لئے اس میں امیر المؤمنینؒ کا ذکر ہونا چاہیے تھا، اس کے بجائے آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے؟ حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا:

"اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہیے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا"

مولاناؒ کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظر استحسان دیکھا گیا،

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولاناؒ کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جارہے تھے، اس لئے مولاناؒ نے یہیں رہتے ہوئے "تنبیہات" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

مدرسہ صولتیہ کا قیام

قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اس زمانے میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہوا کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اول تو درس کے یہ حلقے کسی بجے تلے نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصاب تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسرے تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوت مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جس طرز

تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلبا نحو، فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لیے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان ۱۲۹۰ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتدا کی، پھر ۱۲۹۱ھ کے موسم حج میں کلکتہ کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریسہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کروائی، انہی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام "مدرسہ صولتیہ" رکھا گیا۔

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکے۔

یہ مدرسہ آج تک بحمد اللہ مکہ مکرمہ کے "حارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ[۵۱] اس کے مہتم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

---

[۵۱] مولانا محمد سعید صاحبؒ کے والد محمد صدیق صاحبؒ اٹاوہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحبؒ کو اس اسکول میں داخل کرا دیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد رنجیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گذری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ اُن سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابلِ فخر فرزند حضرت مولانا محمد سلیم[1] صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، اطال اللہ تعالیٰ بقاءہ۔

قسطنطنیہ کا دوسرا سفر

۱۲۹۹ھ میں دولتِ عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو حجاز کا گورنر نامزد کیا، انھوں نے نہ جانے کس غلط فہمی کی بنا پر مدرسہ صولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہوگئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انھوں نے مولاناؒ کو طلب فرمایا، چنانچہ مولاناؒ دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولاناؒ کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحبؒ بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اپنے اس سفر کی رُوداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحبؒ کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انھوں نے اپنے لختِ جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کردیا، حضرت مولاناؒ نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی نواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپ نے اُن سے فرمایا: "میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سُنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے" حضرت مولانا سعید صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ صولتیہ کے ناظم رہے" (ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۲ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

[1] مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ صولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۴۱ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۵ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معمار" سے استفادہ کیا ہے، تقی

---

۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدہ کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگبوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر بابور (جہاز) مصری میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ روز بدھ کو سوار ہوئے، اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا، پیر کی رات کو پانچ بجے سویز پہنچے، اور صبح کو جو پیر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی بابور سے سے اترے، ... وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ اسکندریہ کو ریل پر گئے تین بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے ..... پھر آٹھویں (؟) ..... بابور مصری پر سوار ہوکے .... جمادی الاولیٰ کی پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، ادھر جہاز نے لنگر ڈالا، اسی وقت فی الفور مصطفیٰ وہبی بے یاور (اے ڈی سی) اور بین باشی حضرت سلطان کے، جہاز پر چڑھے، اور مل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے، وہاں سے چل کر سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبد المجید خاں غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگی میں سوار ہوکے محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اترے اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرنار (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں، اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے قرنار، درجہ دوم نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف شاہانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حق اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدر الاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسۂ صولتیہ) کے لئے آیا، . . . .

۷، ارتاریخ ہفتہ کے دن وہبی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ "مرضیِ سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلوا لو، موسم ربیع قریب آپہنچا، اب عرصہ تک آب وہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی" نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، . . . . منگل کے دن کیسۂ مفاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگِ مقصود کی بھجوائی گئی، اور فرمایا کہ: اُس کے شکریہ میں میں نے تم کو رتبہ "پایۂ حرمین شریفین" کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا" اور چھٹی تاریخ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اُٹھ کے ایک دو قدم بڑھا کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ "کثرتِ شغل کے سبب ابتک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں". . . . میں نے بھی دعا اور کلماتِ شکریہ مناسبہ کہے"

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل ومعاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسۂ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا، جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

"حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں، اور بہت سے نیک کام تشنۂ تکمیل، مدرسۂ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے،
اُن کو اس کارِ خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو
یقیناً امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں[۱]۔

اسی دوران سلطان نے حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا بدر الاسلام صاحب کو
اپنے شہرۂ آفاق شاہی کتب خانے "حمیدیہ" کا ناظم بنا دیا، یہ آخر وقت تک سلطان
کے معتمد علیہ رہے، سلطان عبد الحمید کی معزولی کے پرخطر وقت میں صرف تین اشخاص
سلطان کی فہرست میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدر الاسلام صاحب بھی تھے،
ایک عرصہ نظربند رہنے کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے[۲]،

بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بے یاور
اور خیر الدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار
حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

"ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے"

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری
پاشا بھی تھے، جو سب سے پہلے حضرت مولانا سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی
معافی چاہی،

تیسرا سفر

دوسرے سفر سے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء سے
مولانا کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبرسنی اور کثرتِ مشاغل
سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہوگئی تھی، اور ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا موتیابند
کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

---

[۱] ایک مجاہد معمار، ص ۴۸ تا ص ۵۲،

[۲] ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں انگریز اُن پر بہت شبہ کرتے تھے، اس لئے یہ لکھنؤ چلے گئے تھے، جہاں
انھیں ندوۃ العلماء میں ادب عربی کا استاد مقرر کیا گیا، مولانا حالی مرحوم سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے،
(قومی زبان ستمبر ۱۹۶۶ء ص ۵۸)

حضرت مولاناؒ کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے،

۲ رمضان ۱۳۰۴ھ کو مولاناؒ پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراویح بھی وہیں پڑھی، اُس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولاناؒ کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک نہایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولاناؒ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں اُن کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولاناؒ نے فرمایا:

"اعزاء اور اقارب کو چھوڑ کر ترکِ وطن کرکے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آکر پڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیرالمؤمنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا مُنہ دکھاؤں گا؟"

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولاناؒ واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

سماجی خدمات

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہر زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقۂ جاریہ ہے، لیکن مرورِ ایام کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہوگئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنانِ حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عرصے سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واحد تا سیٹھ مکہ مکرمہ آتے، اور اس سلسلے میں مدرسۂ صولتیہ کے اندر ایک مشاورتی اجتماع منعقد ہوا حضرت مولاناؒ نے نہر زبیدہ کی اصلاح و مرمت کا بیڑا اٹھایا، حکومت کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں مہاجرین کے ہر طبقہ سے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے مولاناؒ کو منتخب کیا گیا، مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبد الرحمٰن سراج صاحب مرحوم مفتی الاحناف و شیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب صدر کی حیثیت اختیار کی، سیٹھ عبد الواحد صاحب نہر زبیدہ کے خازن اور تحویلدار مقرر ہوئے، اور اس طرح نہر زبیدہ کا صدقۂ جاریہ ان حضرات کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا[1]،

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اُس زمانے میں جو ڈاک آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھدی جاتی تھی، جس کا خط ہوتا وہ تلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولاناؒ نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحبؒ نے اس جد و جہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبد الحمید کو توجہ دلاکر باب الوداع پر ڈاکخانہ تعمیر کرایا[2]،

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص منہاج اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور مقامی باشندوں کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنرمند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،

(۵) جب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبد الحمید مرحوم کی اجازت سے صحن حرم میں بنے ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے منہدم کرایا، تو مولاناؒ نے اس کے پتھروں اور سامانِ تعمیر سے مدرسۂ صولتیہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے

---

[1] ایک مجاہد معمار ص ۵۳،
[2] ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء "مولانا محمد سعید صاحب" از جناب امداد صابری ص ۶۲،

تینوں گنبد پانی پت ضلع کرنال کے معماروں نے تعمیر کیے، اس مسجد کا تاریخی نام ....
"خانۂ رحمت" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ صولتیہ اور اس کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ (مولانا قاری احمد مکیؒ کا مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ صاحبؒ کی شاخ ہے، جناب مولانا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ کیا گیا، .... ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدۂ عظیم ہوئے ہیں"[۵۱]

وفات اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی، اور حرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین و شہداء کے قریب آپ کا مزار ہے، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور مولانا عبد الحق صاحب شیخ الدلائل، مصنف "اکلیل شرح مدارک التنزیل" بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ جس زمانے میں مولانا استنبول گئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

---

[۵۱] مکتوبات امدادیہ، مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، ص ۶،

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی رحمت اللہ ہنوز تشریف باستنبول میدارند، خدائے تعالےٰ مولوی صاحب را جلد آرد"[1]

تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی بیشتر تصانیف ردِّ عیسائیت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:۔

۱۔ ازالۃ الاوہام یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۴ صفحات پر ۱۲۶۹ھ میں سید المطابع شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہے، اور اس میں نصاریٰ کے اکثر مباحث کا جواب ہے، پادری فانڈر نے "میزان الحق" میں جو اعتراضات کئے تھے اُن کے دنداں شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلہ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، "ازالۃ الاوہام" کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آلِ حسن صاحب کی "استفسار" بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب سے کافی مدد لی ہے،

۲۔ ازالۃ الشکوک یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہے، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات ۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تحریف اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ الباقیات الصالحات مدراس کے بانی اور حضرت مولاناؒ کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب دیلوری نے مدراس میں چھپوائی تھی، پھر دوسری جلد مولاناؒ کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے،

---

[1] امداد المشتاق، ص ۱۴۲، اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۹۲۹ء،

۳۔ اعجاز عیسوی یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریفِ بائبل" ہی، اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہی، متوسط تقطیع کے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۷۰ھ ہی، "ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ" اس کی تاریخ ہے،

۴۔ اوضح الاحادیث اس کا پورا نام "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہی، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں عقیدۂ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۲ھ میں دہلی میں چھپا تھا، (یہ رسالہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا)

۵۔ بروقِ لامعہ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہی، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدۂ ختم نبوت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے،

۶۔ معدل اعوجاج المیزان یہ کتاب فانڈر کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور افشاں" جلد ۱۲، شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۸۸۱ء میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے،

۷۔ تقلیب المطاعن یہ کتاب پادری لاسمنڈ کی "تحقیقِ دین حق" کا جواب ہی، جو افسوس ہی کہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

۸۔ معیار التحقیق یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے[1]،

---

[1] تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امداد صابری ص ۲۳۷ و ۲۳۸، اور "ایک مجاہد معمار" ص ۲۰۷ و ۲۰۸ سے ماخوذ ہے، ت

"اظہار الحق"

ردِّ عیسائیت پر مولاناؒ کی آخری اور سب سے زیادہ معرکۃ الآرا کتاب اظہار الحق ہے، چھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی زبان میں ردِّ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد یک جا نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولاناؒ نے قسطنطنیہ میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۱ھ میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے "ابراز الحق" کے نام سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومتِ عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں فرانسیسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید خرید کر جلایا، مصر میں بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا راندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہو، THE TRUTH REVEALED کے نام سے چھاپا، یہ انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور احقر نے اس سے اپنے کام میں کافی استفادہ کیا ہے،

مصر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی، اب حال ہی میں مراکش کی وزارتِ مذہبی امور نے ۱۳۹۴ھ میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اوّل ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گذری ہے، جلد ثانی کا انتظار ہے، مصر کے ایک عالم استاذ عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظرِ عام پر آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول بنائے، آمین،

تبصرے کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اُسے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۸۱ھ کے بعد جو کتاب بھی ردِّ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماخذ بنی، علماء، محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، کہ اس سب کو یکجا کر کے پیش کریں، تاہم ماضیِ قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

لندن ٹائمز "الفضل ماشهدت به الاعداء" کے پیشِ نظر ہم سب سے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو "لندن ٹائمز" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔"

نواب حاجی اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم رئیس دتاولی ضلع علیگڈھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو "ٹائمز" کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا۔[1]

شیخ باچہ جی زادہؒ مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بک باچہ جی زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۲ھ میں "الفارق بین المخلوق والخالق" کے نام سے ردِّ عیسائیت پر ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی جو بلادِ عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"ان الاستاذ الفاضل رحمت الله الهندی قدس الله روحه فی کتاب اظهار الحق فضح کتبهم وبیّن ما فیها من التحریف والمناقضات والکذب وتجاسرهم علی الله تعالیٰ وانبیائه الطاهرین فان اردت الوقوف علی مساویهم فراجعه فهو یغنیك ویشفیك"[2]

---

[1] ایک مجاہد معمار، ص ۲۶،

[2] الفارق بین المخلوق والخالق، ص ۳۸۶ مطبعۃ التقدم بمصر ۱۳۲۲ھ،

"بلاشبہ استاذ فاضل رحمت اللہ ہندی قدس اللہ روحہٗ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رُسوا کرکے چھوڑا ہے، اور ان کتابوں میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہٰذا اگر آپ اُن کے نقائص سے واقف ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کر دے گی اور تشفی بخشے گی"

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ومن اراد زیادۃ التبیان والاطمئنان فلیراجع ماکتبہ العلامۃ والحبر الفہامۃ الشیخ رحمت اللہ الہندی رحمہ اللہ تعالٰی فی الجزء الثانی من کتابہ المسمّٰی اظہار الحق ففیہ غنیۃ المحتاج اذ قد اشبع القول فی ذکر الدلائل العقلیۃ والبراہین النقلیۃ من کتب علمائہم ورؤساء دینہم[1]"

"جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں حاجتمند کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے، اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خود عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی کتابوں کے نقلی دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے"

شیخ جزیریؒ مصر میں سابق ہیئۃ کبار العلماء کی لجنہ علیہ کے ایک رکن رکین اور مساجد الاوقاف کے مفتش اوّل شیخ عبد الرحمن جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فانڈر کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

---

[1] الفارق، ص ۶ مقدمہ،

"ادلۃ الیقین" کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہاں بلاشبہ استاذ جلیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں تورات و انجیل کی تحریف پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں[1]"

رشید رضا مصری مصر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

"شیخ ہندیؒ نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو کافی وافی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطع دلائل قائم کئے ہیں[2]"

عمر الدسوقی قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ ادبِ عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے اور مدح و ستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح باخبر ہے، اپنے موضوع پر اُسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل قائم کرنے اور فنِ مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے، اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے عہد نامۂ قدیم و جدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

---

[1] ادلۃ الیقین، ص ۹ مطبعۃ الارشاد ۱۳۵۲ھ،

[2] مقدمہ انجیل برناباس، ترجمۃ الدکتور خلیل سعادت المسیحی،

لکھی ہیں، اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زوردار حصہ وہ ہے،
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استشہاد
پیش کر کے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے[۱]"

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرما کر اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ہیں،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ

محمد تقی عثمانی
یکم شعبان سنہ ۱۳۸۷ھ

دارالعلوم
کراچی نمبر ۱۴

---

[۱] مقدمۃ اظہار الحق، ص ک ج اوّل مکتبۃ الوحدۃ العربیۃ الدار البیضاء، المغرب،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھادی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے جھنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی روشنی کو اپنے مُنہ سے بجھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے جبین مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت،

اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنا دے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری توریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بناء پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہؓ پر بھی خدا کی رحمت وسلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولتِ اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں ؞

پیش لفظ مصنّف

امابعد، اپنے محسن خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلّط اور غلبہ ہوگیا، اور اس نے امن وامان اور بہترین نظم وانتظام کو قائم کردیا، تو اُن کے آغاز حکومت سے ۴۳ برس تک اُن کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں اور عام جلسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ کہنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدّت گذرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماءِ اسلام کو ان کی تردید کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اُدھر میرا شمار بھی کوئی بڑے علماء کی جماعت

ہیں نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی تقریروں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہونچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہوجائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی وعیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "میزان الحق" کے مصنف، میں نے اُن سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہوجانا چاہئے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہوجائے کہ علمائے اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، جیساکہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے اُن پانچ مسائل میں مناظرہ ہونا طے ہوگیا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیاد ہیں، یعنی تحریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین[1] و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے،

---

[1] یعنی ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہیں عیسائیت کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کرکے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے پُرخلوص تعاون نے مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنرل بخت خاں نے آپ کو اودھ کا گورنر مقرر کردیا تھا، باقی صفحہ

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادریوں کے خیال میں سب سے مقدم تھے (چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلالت کرتی ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے) ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی،

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی حاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی وسندی ومولائی سید احمد بن زینی دحلان ادام اللہ فیضہٗ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کردوں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانانِ ہند کی زبان (اردو) میں، اور دو زبانوں میں میری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور وعظ کہتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے، بالخصوص وہ پادری جنھوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثال حکم کے لئے تیار ہوگیا، مجھ کو ایسے لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے، پھر ہجرت کرکے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (راز فرنگیوں کا جال) ۱۲ محمد تقی

سے اعراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری ژولیدہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ بصیرت وصلاحیت عطا کرے جو حق وصواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب کو مخلوق میں شرفِ قبول بخشے، خاص وعام سب اس سے مستفید ہوں، اہلِ باطل کے شبہات اور منکرین کے اوہام سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشنے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

مُقَدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

مقدّمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

(۱)

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک، اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، اِلّا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

(۲)

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقۂ پروٹسٹنٹ[1] کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

---

[1] فرقۂ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولھویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل صورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور بیجد تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سرِ نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس فرقہ نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)

خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تاریخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک[1] کی کتابوں سے لی گئی ہیں،

(۳) تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالف، لہٰذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو اُن کو یہی غلط فہمی ہو گی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کہتا ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ بیشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقہ سے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چودہ کتابوں کو بائبل سے نکال دیا، بائبل کو لوگوں کی مادری زبان میں پہنچانے کی تحریک چلائی، اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انھیں منسوخ کر کے صرف بپتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لیڈر ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۳۲ تا ۴۳، ج ۱۹، مقالہ "ریفارمیشن")۔

[1] رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیحؑ کے حواری جناب پطرس کو "نائب المسیح" مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس تھے، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب کئے جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انھیں مذہبی امور میں مکمل اختیارات حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۰۴۴، ج ۲، ۱۲ محمد تقی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دو بار ان کی اس عادت کے جاننے سے قبل اس قسم کے مغالطہ میں پڑ چکا ہوں، اس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ ناقل پر بہتان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نقل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم واٹسن نے لندن میں طبع کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ مطبوعہ روما ۱۲۶۴ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،

۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم واٹسن مذکور نے ۱۸۴۴ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و ۱۰ کو یک جا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۴۷ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰ و ۱۴۷ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہو گئی،

۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمے سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکیک نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۰۱ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہنری کی تفسیر جو ۱۸۲۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری و اسکاٹ کی تفسیر، مطبوعہ لندن،

لہ اصل میں ہنری کی تفسیر الگ تھی، اور اسکاٹ کی الگ، بعد میں بعض عیسائی علماء (باقی برصفحہ آئندہ)

۷ - لارڈنر کی تفسیر مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۴۸ء ،

۸ - ہارسلے کی تفسیر ،

۹ - واٹسن کی کتاب ،

۱۰ - فرقہ پروٹسٹنٹ کا ترجمہ انگریزی مہر شدہ مطبوعہ سنہ ۱۸۱۹ء و سنہ ۱۸۳۰ء و سنہ ۱۸۳۱ء و سنہ ۱۸۳۶ء ،

۱۱ - عہد عتیق و جدید کا وہ انگریزی ترجمہ جو رومن کیتھولک کا کیا ہوا ہے ، مطبوعہ ڈبلن سنہ ۱۹۴۰ء ،

اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی ہیں، جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں اُن ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہے بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے ،

(۴)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسلّمہ کتاب کی نسبت یا اُن کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اُس کتاب کی یا نبی کی نسبت میری بد اعتقادی پر محمول نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے [illegible] مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے ، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلّم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا الہامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مصنفؒ اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "تفسیر ہنری واسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا" ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کا من گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط واختلافات اور تناقض وتحریف یقینی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہوسکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں،

مثلاً یہ کہ حضرت لوط[1] علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو حمل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا[2]، اور ان سے حاملہ ہوگئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا مارا جائے، اور حیلہ سے اس کو مروا[3] دیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا بنایا، اور اس کے لئے قربان گاہ تعمیر کی[4]، اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہوگئے تھے[5]، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، ان کی مقدس کتابوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ ان کی وفات مرتد ومشرک ہونے کی حالت میں ہوئی،

...ظاہر ہے، ...ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

---

[1] نقل کفر کفر نباشد "سو انھوں نے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے) اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی" (پیدائش ۱۹۔۳۳) اور "سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں" (پیدائش ۱۹۔۳۶) ۱۲

[2] (سموئیل دوم ۱۱۔۲ تا ۵)، [3] (سموئیل دوم ۱۱۔۱۵)، [4] (خروج ۳۲۔۲ تا ۶)

[5] (سلاطین اول ۱۱۔۲ تا ۱۳) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں معذور ہیں، اس لئے علماء پروٹسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر دیکھنا چاہیئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلتے ہیں؟ مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیوب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ :-

تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے؟ اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں؟ اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا" (متی ۷ – ۳، ۴، ۵) اور (لوقا ۶ – ۴۱ و ۴۲)

⑤

عیسائی لٹریچر میں مخالفین کے لئے نازیبا الفاظ

کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو آپنے دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ[1] اور فریسیوں کے

---

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، جو غالباً "کاتب" کی جمع ہے، مگر انجیل متی میں "فریسیوں" کے ساتھ "فقیہوں" کا لفظ ہے (متی ۲۳ – ۱ تا ۲۹) اور لوقا میں شرع کے "عالموں" کا لفظ ہے (۱۱ – ۴۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محمد تقی

سامنے اُن کے مُنہ پر یہ الفاظ استعمال کئے :۔

"اے ریاکار کتبہ اور فریسیو! تم پر افسوس، اور اے اندھے راہ بتانے والو! اور اے احمقو! اور اندھو! تم پر افسوس! اے اندھے فریسی! اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے "؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور عیوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۳ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کتوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۱۵[1] میں موجود ہے، نیز حضرت یحیٰی علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ کس طرح خطاب کیا کہ :۔

"اے اژدہوں[2] کی اولاد! کس نے تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے"؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۳ میں موجود ہے،

بالخصوص علماءِ ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری تقاضے کے ماتحت نکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدیٰ اور رئیس المصلحین یعنی جناب لوتھر[3] کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدیٰ اور اس کا معاصر یعنی

---

[1] آیت ۲۶ و ۲۷،

[2] اے سانپ کے بچو! تمھیں کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو، (متی ۳۔۷)

[3] مارٹن لوتھر (Martin Luther) جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب سے پہلا لیڈر رہا، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام و خاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ کا حق حاصل ہے، اس نے کلیسائے روم کی بدعات کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس لئے اس کے (باقی برصفحہ آئندہ)

پاپائے روم تھا کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملک معظم ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷۷ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال کو جناب رئیس المصلحین مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲ و ۷ سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے ص ۲۷۴ میں پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:۔

میں سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرتا ہوں، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمہارے پاس تھا آہستہ آہستہ نکل گیا، اے حقیر پوپسی! اے گدھے اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدھے پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدھے آگے مت بڑھ، ممکن ہے تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جائے، کیونکہ اس سال ہوا ابھی بہت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اُڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرقہ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا جس کو جرمنی نثر کا ایک شاہکار قرار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۴۸۳ء، وفات ۱۵۴۶ء ۱۲

صفحہ ہٰذا لہ پاپا: یا پوپ نصاریٰ کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اُسے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ سمجھتے ہیں پہلے اسی کو پیٹرک کہا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، اور وہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہوتا ہے (مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۱۸) لوتھر نے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۲

لہ ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۴۹۱ء۔ ۱۵۰۹ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لوتھر کی تحریکِ بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اُسے "پاپا" نے "محافظِ ایمان" کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے الگ ہوگیا، اور ایک الگ مذہب کی بنیاد ڈالی جس کا نظریہ یہ تھا کہ بادشاہی کو کلیسا پر کامل اختیارات ہونے چاہئیں ۱۲ تقی

دُور ہو جاؤ، اے شریرو! ناقابلِ التفات احمقو! ذلیل گدھو! تم اپنے کو گدھوں سے بہتر سمجھتے ہو؟ اے پوپ! بے شک تو گدھا ہے، بلکہ بیوقوف گدھا ہے، اور ہمیشہ گدھا ہی رہے گا"

پھر صفحہ ۴۷۴ جلد مذکور میں یوں ہے:-

"اگر میں حاکم ہوتا تو یہ حکم جاری کرتا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو باندھ کر دریائے ستیاء میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہے ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیحؑ کو بھی اس امر کا ضامن بناتا ہوں کہ اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب ہو جائیں گے"

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۰۱ پر کہتا ہے کہ:-

"پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مکار و فریب کار گروہ ہے، اور بدقماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنمی شیاطین سے بھری ہوئی ہے، کہ اس کے تھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد ہوتے ہیں"

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ:-

"میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہس[لہ] کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں

لہ John Huss بوہیمیا کا مشہور مفکر اور نصاریٰ کا مصلح جس نے ویکلف Wickliff (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید دجّال اور اس کے حواریوں نے کونسٹنس[1] کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے واجب التسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کا فرانہ ہے، اس لئے میں جان ہس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور اُن کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں"۔

جان ہس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ "بادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا"۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رئیس المصلحین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسلم ہیں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلّم ہو، اس بناء پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلے گا جو بادشاہت یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کسی کا بھی دامن کبیرہ گناہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی اتباع میں کلیسائے روم کے خلاف آواز بلند کی، اور اسی کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت نامے فروخت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کے خلاف احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور بائبل کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھانے کی آرزو شامل ہیں، ۱۴۱۲ء میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہو رہا تھا اس کی مؤثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پوپ نے اسے کلیسا سے خارج کر دیا، اور رستایا، ۱۴۱۴ء میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر محبوس رکھنے کے بعد ۶ جولائی ۱۴۱۵ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلا دیا گیا (تواریخ کلیسائے روم) ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور بادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۴۱۴ء کو شہر کانسٹنس میں ایک عالمگیر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں باہمی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور غلط تعلیمات کو بدعتیوں (باقی برصفحہ ۱۹)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ عصمت و پاک دامنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات معصوم نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوّت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں: جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۲۷۷ پر کہتا ہے کہ:-

(۱) "بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا تھوک کذب دلغو میں خرچ کیا ہے"

(۲) "میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصب سُلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ لوٹاؤں"

(۳) "اے لکڑی کے بنے ہوئے حوض جاہل! تو جھوٹا ہے، اور احمق پادشاہ ہے، جو کفن چور بھی ہے"

(۴) "اسی طرح یہ احمق پادشاہ بکواس کیا کرتا ہے"

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضائے بشریت کی بنا پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان ہس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انھیں باتفاق رد کیا گیا، اور اسی کے نتیجہ میں اُسے زندہ نذرِ آتش کیا گیا، (دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی پی ایس کلیرک، ص ۲۳۹ و ۲۴۰) ۱۲ محمد تقی

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظ ان کے مقتداؤں نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نکل گیا جو اُن کے خیال میں اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعاء کے طالب ہیں،

مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔

"تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعاء دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں سے بھلائی کرو، جو تمھارے ساتھ برائی سے پیش آئیں اور تم کو دھتکاریں تم اُن سے صلہ رحمی کرو"

جس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے

(۶)

عیسائی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ

یورپی ممالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو علماء پروٹسٹنٹ ملحد اور بددین کہتے ہیں، جو نبوّت و الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی، ان ممالک میں اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اُن کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں اُن کے اقوال بھی اس کتاب میں نقل کئے جائیں گے اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم اُن کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا وکلّا، کیونکہ ہمارے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوّت ثابت ہو چکی ہے اُن کا منکر بالخصوص حضرت مسیحؑ کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشا محض علماء پروٹسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود اُن کے اہلِ ملک، و ہمجنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

(۷)

علماءِ پروٹسٹنٹ کی مسلمانوں پر بہتان طرازیاں

اکثر علماءِ پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ اُن کو غنیمت سمجھ کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اُن کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انھوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد معدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تاویل کرسکتے ہیں، یا ان کا جواب دے سکتے ہیں، اور قوی و مضبوط اقوال کو قطعی ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہوسکے، بلکہ کبھی کبھی تو اُن کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر و تبدل کردیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہوگا جس طرح انھوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات اُن کی اس عادت سے واقف ہیں اُن کو یقین ہوجاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ وہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کوئی کتاب الہامی نہیں ہے تو عادۃً اس میں ایسی چیز لازمی ہے، اس لئے کہ کسی انسانی کلام کا اس عیب سے پاک ہونا بہت دشوار ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ "ہر کاٹنے والی تلوار کیلئے کُند ہونا[1] اور ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر کھانا" بھی کچھ کم نہیں ہے،

[1] یہ عربی مثل کا ترجمہ ہے، اصل الفاظ یہ ہیں "لکل صارم نبوة ولکل جواد کبوة"

گرنا لازم ہے، اور سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔

ہمارے نزدیک تو غلطی اور بھول سے پاک ہونا صرف کلام الٰہی اور کتاب الٰہی کیلئے مخصوص ہے یہ شان کسی اور کتاب کی نہیں ہو سکتی، ذرا غور کیجئے کہ امام جماعت
لوتھر کے وقت سے اس موجودہ زمانہ تک اُن کے محققین میں سے کوئی ایک بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری ان کی تصانیف
میں کسی موقع پر نہ ہوئی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی،
کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام ممدوح یا دوسرے امام
کالوِن[1] یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی
اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں
کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کو
کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے
اقوال جن کے بارے میں خود اُن کے مقتداؤں اور اہلِ مذاہب
یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی
اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب
کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان
پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرصتی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح
مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء جز ۲ فصل ۲ صفحہ ۳۱۰
ان اعتراضات کی نسبت

[1] کالوِن Calvin فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں قدیم مسیحی عقائد کا تھا، بعد میں لوتھر کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں محض علماء پروٹسٹنٹ پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جنیوا میں مقیم ہو گیا، جنیوا اور گرد و نواح میں پروٹسٹنٹ ان کا بڑا اہم کردار ہے، عیسائیت پر اس کی بہت سی تصانیف ہیں، فرانسیسی ترجمہ بائبل کا پہلا ... کے تمام نظریات کو بتمام و کمال قبول نہیں کرتے، مگر اسے اپنا مقتدا تسلیم کرتا ہو (از برٹانیکا، ج ۴)

میں تصریح کی ہے کہ:۔

"تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پروٹسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سو واعظین اور معلمین ہر وقت مستعد رہتے ہیں"

پھر یہ سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عدیم الفرصتی کا عذر کیسے مانا جا سکتا ہے؟ اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق وحل الاشکال ومفتاح الاسرار (مصنفہ پادری فنڈر صاحب) کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمۂ مذکورہ کے حال میں جو ڈچ زبان میں ہے کہتا ہے:۔

زوئنگلیس جو علماء پروٹسٹنٹ میں بڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بگاڑتا ہے، تو بڑا مخرب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے بیحد شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب پتہ چلا کہ تو اس قسم کا ہے، ادھر لوتھر نے زوئنگلیس کے ترجمہ کا رد کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دجال، دھوکہ باز کے القاب سے یاد کیا، پادری کگرمن ترجمۂ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ "عہدِ عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیبوں سے لبریز ہے" اور عہدِ جدید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،

اور بہر واوسیانڈر، لوتھر سے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلس اور

امسیرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں چودہ سو غلطیاں پائی ہیں جو بدعات ہیں"

پھر جو اغلاط صرف عہد جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو

غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں چار ہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط

پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے اعظم کیطرف جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو

ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف

کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے اعظم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں

کے بھی سنتے جایئے :-

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصۂ دراز تک واعظ پادریوں کے یہاں

استفسار کی تالیف سے قبل مروّج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آلِ حسن نے استفسار

تصنیف فرمائی اور نسخۂ مذکورہ کے باب نمبر ۱ و ۳ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے

بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو

کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کرکے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک

جدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کرکے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع

کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گویا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں

قانونِ منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم

نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی

گنجائش ہے،

بہرکیف! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء سے ۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم وجدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

"میزان الحق" کے اقوال

پہلا قول | میزان الحق، صفحہ ۱۷ باب اوّل میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

"اُس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہوگئی، اسی طرح قرآن کے نازل ہونے پر انجیل منسوخ ہوگئی"

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور کا منسوخ ہوجانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سراسر بہتان اور افترا ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کسی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا وجود نہیں ہے، ہمارے نزدیک نہ تو زبور توریت کی ناسخ ہے اور نہ انجیل سے منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر شریعت موسوی کے متبع تھے، اور زبور تو صرف چند دعاؤں کا مجموعہ ہے، جس کے ناسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے سنکر قیاس کیا ہوگا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی، اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کردیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو عیسائیوں کا اوّلین اور بہت بڑا اعتراض ہے،

دوسرا قول | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-

"مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبور توریت کی ناسخ ہے اور انجیل دونوں کی"

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ زبور نہ تو توریت کی ناسخ ہے نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع ہوچکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

تیسرا قول فصل مذکور، صفحہ ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"قانونِ نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جان بُوجھکر محض اپنی مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توضیح کرے، مگر اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور کامل الصّفات ہر کوئی شخص بھی نہیں کرسکتا"۔

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں پڑ سکتا، چنانچہ باب ۳ میں آپ کو معلوم ہوجائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس[1] پر یہ اعتراض

---

[1] پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۱۴ خطوط بائبل کے موجودہ مجموعہ (عہد نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے، شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا، اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے ظلم وستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہوگیا (باقی برص ۲۴۷)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ بزرگ اسی ناقص و باطل تصور میں مبتلا نظر آتے ہیں، جو پادری فنڈر کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے نقل کرتے ہیں، عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ :۔

"غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہوگیا (کیونکہ شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا)"

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :۔

"کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا"

اور تیرھویں آیت میں ہے :۔

"جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ :۔

"غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے"

دیکھئے! عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہوگئی اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کرسکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مضمحل اور باطل ہونے کے لائق شمار کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، (یہ واقعات کتاب اعمال ب ۸ و ب ۹ میں دیکھے جاسکتے ہیں)، شمالی جزیرۂ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی تبلیغ کا اہم مرکز رہے ہیں، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روما میں لیجا کر ۶۷ء میں قتل کردیا گیا۔ تفصیل کے دیکھئے مقدمہ باب ۲ مرقومہ احقر ۱۲ تقی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا کیونکہ اس نے حزقیل[1] کی زبانی یہ فرمایا کہ :

"سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں" (حزقی ایل ۲۰/۲۵)

ہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہے جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

چوتھا قول فصل مذکور صفحہ ۲۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"ان آیات کا مقتضا یہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا تک قائم اور باقی رہیں"

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقتضیٰ یہ ہوتا... کہ دونوں کے احکام ہمیشہ باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور توریت کے حکم کے مطابق اس کی "تعظیم کو توڑنے والا" واجب القتل ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں ص ۱۹ پر اقرار کیا ہے کہ :

"توریت کے ظاہری احکام مسیح کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی"

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نسخ میں اور ہمارے

---

[1] حزقیال بن بوزی آپ کبار انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تاریخ کی عام کتابوں میں "حزقیال" عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لاوی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جب ۵۸۶ ق م میں بنوکدنصر (Kabuchodonosor) نے یروشلم پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، عہد قدیم کے موجودہ مجموعہ میں ایک کتاب "کتاب حزقی ایل" کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1]:۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے وقت فرمایا کہ[2]:۔

"تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عملی احکام کو باستثناء چار احکام کے منسوخ کر ڈالا:

بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گلا گھونٹے ہوئے جانور کی حرمت، زنا کی حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۱۵ میں موجود ہے[3]،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

---

[1] (متی ۱۰ - ۵ و ۶)

[2] (مرقس - ۱۶: ۱۵)

[3] روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام (اعمال ۱۵ - ۲۸ و ۲۹) ۱۲

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روما کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور ططس کے نام خط کے باب ۱ آیت ۱۵ میں درج ہے)[۱] منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو لہٰذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخہ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہو سکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو باب ۳ میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آیتیں جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چار ہیں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷ میں نقل کیا ہے:-

۱- انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ:

"آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

۲- انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

"پس بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے"

---

[۱] "مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے" (رومیوں کے نام ۱۴-۱۴) اور "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں" (ططس کے نام ۱-۱۵)
ان فتووں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر ہے، زنا کی حرمت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اسی لئے مصنف رح نے فرمایا کہ "چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو الخ" ۱۲

۳۔ پطرس[1] کے پہلے خط باب آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:

"کیونکہ تم فانی تخم سے نہیں، بلکہ غیر فانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو"

۴۔ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۸ میں ہے کہ:

"گھاس مُرجھاتی ہے، پھول کملاتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے"

عیسائیوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے، ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ باب[3] میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو "میری باتیں" کہا گیا ہے اس میں اضافت عہد[2] کی ہے، جس سے مراد وہ پیشنگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انھوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹاین

---

[1] پطرس (پ اور ر مضموم ہیں) (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، ان کا اصلی نام سمعان تھا، مچھلیوں کے شکار پر گذارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو آپ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا، جس کے معنی چٹان کے ہیں، شروع میں یہ اطالیہ میں رہے پھر انھیں روما لیجایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں اُن کے دو خط شامل ہیں (پیدائش تقریباً سنہ ق، م، وفات ۶۷ء) ۱۲

[2] یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۲

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیا ہے، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے کہ یہ مراد لیا جا سکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی، خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخہ کی نسبت اُن کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ مٹنا کمال کی قید کے ساتھ مقید ہے، اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں الی الابد، ابد تک کا لفظ تحریف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کسی قدیم اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسین اس طرح لکھے ہوئے ہیں (الی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنیوالوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ "یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے"

پطرس حواری کے الفاظ "خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم ہے" اشعیاء کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ "پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" لہٰذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیاء کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جا سکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت بہکی بہکی باتیں کی ہیں، جن کا علم اُن لوگوں کو خوب ہی جنھوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہوگی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

پانچواں قول پادری صاحب موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ، "ان میں کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمان نے قرآن کو جلا دیا تھا، مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا ہو کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں کے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ می[1] بڑھا دیا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

صرفی، نحوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد واصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے "

حالانکہ استفسار کی عبارت میں لفظ "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت وانجیل کی اصلی زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفرداتِ لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کیتھولک والے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پروٹسٹنٹ

[1] فارسی زبان کا لفظ "می" مراد ہو جو استمراری عادت پر دلالت کرتا ہے ۱۲ تقی

والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ :۔

"فرقہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ، بادشاہ جیمس اول کے حضور میں پیش ہوئی کہ جو زبوریں ہماری کتاب "صلوٰۃ" میں داخل ہیں وہ اندازاً دو سو مقامات میں کمی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالف ہیں "

تھامس انگلس کیتھولک اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷ پر یوں کہتا ہے کہ :۔

"اگر تم فقط چودھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور جس پر علماء پروٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس زبور کا مطالعہ کرو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ آیتیں اگر کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سبب؟ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف سچی بات تو یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیشی "

ظاہر ہے کہ فانی کی عبارت میں سے صرف لفظ "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دینا بہت خفیف اور معمولی بات ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے اکٹھی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے اسی طرح لفظ "مفردات لغت" کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دو سو مقامات میں تحریف کر دینے کے مقابلہ میں نہایت آسان اور خفیف ہے،

چھٹا قول میزان الحق کے باب ۱ فصل ۳ صفحہ ۴۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول چوک اور سہو و نسیان واقع ہو سکتا ہے، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم ہیں، لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب سلاطین اوّل باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہوداہ[1] سے یوربعام[2] کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی قربان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے سلطان یوسیاہ گرا دیگا، تو یہوداہ واپس پہونچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"اور بیت ایل میں ایک بڈھا نبی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر وہ سب کام جو اس مردِ خدا نے اس روز بیتِ ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو باتیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے باپ نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مردِ خدا جو یہوداہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے لئے گدھے پر زین کس دو، پس انھوں نے اس کے لئے گدھے پر زین کس دیا اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مردِ خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک درخت

[1] یہوداہ یا یہودیہ (Judah) بحر میّت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں رحبعام بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً ۹۳۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایۂ تخت یروشلم تھا ۱۲

[2] یُربعام بن نباط (Jeroboam) شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن سے بغاوت کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رحبعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر الگ سلطنت قائم کرلی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رحبعام اور یربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱ تا باب ۱۴ اور کتاب تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جا سکتے ہیں ۱۲

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جا سکتا ہوں .... اور میں تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم ہوا ہے کہ "وہاں نہ روٹی کھانا، نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر لوٹنا، جس سے تو جاتا ہے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں لوٹا کر لے آ، تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا، سو وہ اس کے ساتھ لوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا، اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے لوٹا لایا تھا نازل ہوا، اور اس نے اس مردِ خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلّا کر کہا، خداوند یوں فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو لوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہونچے گی، اور جب وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے جسے وہ لوٹا لایا تھا گدھے پر زین کس دیا، اور جب وہ روانہ ہوا تو راہ میں اسے ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ اُدھر سے گذرے، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انھوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڈھا نبی رہتا تھا یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے لوٹا لایا تھا، یہ سُنا تو کہا، یہ وہی مردِ خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی نافرمانی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدھے پر زین کس دو، سو انھوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدھے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدھے کو پھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مردِ خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدھے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڈھا نبی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں ... آیا" (سلاطین اوّل ۔ ۱۳ ۔ ۱۱ تا ۲۹)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۱۸ میں ان کی جانب سے سچی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی سچی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہی، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

ممکن ہی کہ کوئی صاحب پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طرازی اور تبلیغ میں دروغ بیانی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ سہو ونسیان کے طور پر، اور پادری صاحب کا کہنا سہو ونسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جواباً گذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہے، مگر اس میں سہو ونسیان سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اگر کسی شخص کو ان کی تحریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف یا عقلی استحالہ نظر آئے تو یہ اس کی عقل اور سمجھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے"

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء یہود کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلارک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اُسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب اوّل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۱ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میری عبارت اور تقریر کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جائے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تاویل ممکن ہو توجیہہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو اور

میری عبارت کو چھوڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا،

ساتواں قول | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں صلا پر یوں ہے کہ:-

"خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گذرنے پر رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچادیا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بابل[1] میں ۶۳ سال ہے، نہ کہ ستر سال، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

آٹھواں قول | باب۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ:-

"اور ستر اسبوع جس سے مراد ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہوگئے جس طرح دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی آمد کے درمیان مذکورہ مدت ہوگی"

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی حقیقت اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا؛ اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۶۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ:-

---

[1] بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے بغداد سے ۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومو ابوم اموری نے ۲۱۰۵ ق م میں ایک نسل آباد کی تھی، جس کا چھٹا بادشاہ مشہور تاریخی انسان حمورابی (انسانوں میں سب سے پہلا انسانی واضح قانون) انیسویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے، سلطنت نینوا کے خاتمہ کے بعد ۶۱۲ ق م میں بخت نصر Nabuchodonosor نے اُسے پایۂ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر سلوقیین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انحطاط ہوا، ۱۲

"یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۶۰۰ سال پیشتر ہوا ہے"

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو رہائی سے ظہور مسیح تک کی مدت اس قدر ہو گی نہ کہ ۴۹۰ سال،

نواں قول باب۲ فصل ۳ صفحہ ۱۰۰ میں ارشاد ہے کہ:۔

"خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیری نسل سے پیدا ہو گا، اور اس کی سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی"

چنانچہ اس کی تصریح سفر صموئیل[1] ثانی فصل ۷، آیت ۱۲و۱۳ میں موجود ہے، اور ان دونوں آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہو گا،

دسواں قول باب۲ فصل ۳، صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب میکاہ پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے کہ اے بیت لحم[2] افراتاہ، اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہو گا، اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے (میکاہ، ۵ ـ ۲)"

اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور محقق ہورن کی تحقیق ہے

---

[1] "اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیری صلب سے ہو گی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا" (سموئیل ثانی، ۷ ـ ۱۲ و ۱۳)

[2] بیت اللحم Bethlehem فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۸ کیلومیٹر جنوب میں واقع ہے، کہتے ہیں کہ اسی میں حضرت داؤد اور حضرت عیسٰی علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

[چنا]نچہ باب ۲ مقصد (۱) شاہد ۲۲ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل متی باب ۲ آیت [۱] ۶ و ۷ کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو [صورتو]ں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا،

یا تو میکا کی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے [اعت]راف کرلیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے [اق]رار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ [انھ]وں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی ؟ اور [د]ونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہے کہ وہ بتائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے [تح]ت یہ تحریف کی ؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے ؟ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا ؟ جس [طر]ح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ توضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہے، [ہ]م خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک [و م]عدل اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے،

[گیا]رھواں قول مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :۔

"یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیا [۲] نے فصل ، آیت [۱۴] میں کہا ہے"

---

[۱] اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے ! تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار [نکلے] گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا " (متی ۲ : ۶) کتاب میکاہ میں یہوداہ کو چھوٹا گیا ہے اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے [کی نف]ی کی گئی ہے ۱۲ تقی

[۲] دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی (یسعیاہ ۷ : ۱۴)

اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۱ فصل ۳ غلطی ۵۰ کے بیان سے آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "لفظ علما[1] کے معنی صرف کنواری کے ہیں" یہ بھی غلط ہے،

بارھواں قول پادری صاحب نے زبور ۲۲[2] کی ایک عبارت باب ۲ فصل ۳ صفحہ ۱۴۰ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

"وہ (کتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں"

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے "میرے دونوں شیر کی طرح ہیں" البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے،

اب پادری صاحب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق مسیح پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہے، پھر اُن سے سوال کیا جاتا ہے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

تیرھواں، چودھواں اور پندرھواں قول باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ پیشینگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

---

[1] اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب ۱ فصل ۳ غلطی ۵۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ یہ "علمہ" ہے جو عبرانی لفظ ہے، اور اس کا ترجمہ "کنواری" سے کیا گیا ہے، اور مصنف رح کو اس پر اعتراض ہے، انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی "جوان عورت" کے ہیں، خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ بات اپنے موقع پر دیکھئے۔

[2] زبور ۲۲: ۱۶،

کیا جا سکتا ہو کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایۃ ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں، جیساکہ ہم انشاء اللہ باب فصل ۳ میں غلطی ۳۰ و ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے[1]،

سولہواں قول | باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۳۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

اُن میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد منسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لائے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول نہایت ناقص اور عیب والا ہے "

جواباً عرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عیب کی ہے تو توریت وانجیل بدرجہ اولیٰ ناقص اور عیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیساکہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے[2]، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہو کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت وانجیل پر عائد ہوتا ہے،

سترھواں قول | پادری صاحب نے باب ۳ فصل ۴ صفحہ ۲۴۶ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلامِ الٰہی کی آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[3] سے مفہوم ہوتا ہو اور اپنے زعم میں اُس پر عیب لگانے کے بعد یوں کہا ہے کہ :-

---

[1] ان کی اصل عبارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہذا، ص ۳۶۵ و ۴۰۱ و ۵۲۵ (جلد اول)　[2] کتاب ہذا ص ۲۴۶
[3] "اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں" (انفال، ع ۲) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہو جو غزوۂ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آرہا ہے، ۱۲ تقی

"اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا"

گذارش یہ ہے کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے:۔

"منقول ہے کہ قریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریش ہیں جو اپنی بڑائی اور فخر کو لے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ میں آپ سے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپؐ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور آپؐ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے کر اُن پر پھینک دیجئے، پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپؐ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے اوپر دے ماری اور فرمایا "چہرے بدنما ہو جائیں" نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور اُن کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا"

بیضاوی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ "آپؐ کے پاس جبرئیل آئے اور آپؐ سے کہا کہ ایک مٹھی مٹی کی لے لیجئے" واضح طور پر دلالت کررہے ہیں کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ "کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی ف[illegible] نہ لگ رہا ہو" یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کررہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت ہوئی ..... پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبیعت

ہی بن گئی ہو،

اٹھارہواں قول تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرھویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہے مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہلِ مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے"

یہ بھی غلط ہے، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء سے نقل کرتے ہیں:۔

"ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر نکلے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول سراسر بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں تلوار کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا"

نیز ابوذرؓ اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی دَور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابوذرؓ کی دعوت سے متاثر ہوکر ایمان لے آیا،

نیز ۵ نبوی میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز نجرانؒ کے عیسائیوں میں سے

لہ نجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر ہے، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہوگئے تھے ۱۲ ت

بیس افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضماد ازدی رضؓ سنہ نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو الدوسیؓ بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر اُن کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے وعظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابتؓ ایسے تھے جنھوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوۂ احد کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعبؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انھوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے پر مدینہ کے راستہ ہی میں بریدہ اسلمیؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص برضا و رغبت مسلمان ہو گئے نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابو ہندؓ، تمیمؓ، نعیمؓ اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی،

اُنیسواں قول | باب ۳ فصل ۵ صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ:۔

> "ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر پر ۱۲ امیر مقرر کر کے ہر ایک کو احکامات کی ایک ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے"

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ:۔

> "امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلا دیا جائے، اور ہر صورت سے قتل کیا جائے،،

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصفا میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ:۔

"لشکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، اور اُن راہبوں جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا"

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں'

بیسواں قول | باب ۳، فصل ۵ صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ:۔

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ پھر اُن کو جبراً بزور قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا جائے"

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوۂ بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذاتِ خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہبِ اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفسر طامس نیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ باب، فصل ۲ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آنے والے ہیں'

اکیسواں قول | باب ۳ فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ کیا اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ نو سال کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان دو سفروں کے علاوہ اور کوئی شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد سفروں سے تبدیل کر دیا،

بائیسواں قول باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ:-

"اور یہ آیت یعنی یونس[1] پیغمبر کا معجزہ جس کا مسیح ؑ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور جو انجیل متی[2] باب ۱۲ میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیح کے اٹھنے کے وقت پا لیا "

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب و روز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ فصل ۳ میں غلطی[3] نمبر ۶۰ کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

تیئسواں قول باب ۳، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ:-

---

[1] مشہور پیغمبر ہیں، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یوناہ اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامۂ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲ ت

[2] جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا (متی ۱۲-۴۰)

[3] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

"یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیحؑ کے معجزات کو اُن حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت مسیحؑ کے ساتھ رہتے تھے اور جنھوں نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا"

یہ بھی غلط اور خود انہی کے اس بیان کے خلاف ہے جو حل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو حل الاشکال کے قول نمبر ۱ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا،

چوبیسواں قول | باب ۳ فصل ۵ صفحہ ۲۸۳ میں پادری فنڈر نے دعویٰ کیا ہے کہ:

"جو شخص مذہب اسلام سے پھر جاتا تھا مسلمان اس کو قرآنی حکم کی تعمیل میں قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت کو تلوار کے زور سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ کو پہونچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنے ہاتھوں کو بُرے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں"

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت پر واقع ہوتا ہے، ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:-

"جو بتوں کے لئے قربانی[1] کرے وہ واجب القتل ہے"

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:-

"موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لاوی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں، چنانچہ انھوں نے تیئیس[2] ہزار آدمی قتل کئے"

---

[1] اور جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲-۲۰)

[2] اظہار الحق کے تینوں نسخوں میں "ثلاثۃ وعشرین" (۲۳ ہزار) کا لفظ ہے، مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہے "اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اُس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے" (خروج ۳۲-۲۸)

نیز کتاب الخروج باب ۳۵ آیت ۲ میں سبت[1] کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"جو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے"۔

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سنیچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب ۱۵ میں موجود ہے[2]۔

نیز کتاب استثناء باب ۱۳ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نبی غیر اللہ کی دعوت دے[3] اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو[4]، اسی طرح اگر کوئی امتی غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے[4]، خواہ یہ دعوت دینے والا رشتہ دار ہو یا دوست[5]، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، ان کے ساتھ ان کے جانور بھی قتل کر دیئے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک آباد نہ ہو سکے[6]،

(بقیہ صفحہ ۴۹) انگریزی ترجمہ میں بھی (about three thousand men) کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار،

[1] سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ روز میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا اس لئے انسانوں کے لئے بھی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰—۸) ت

[2] "ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر لیجا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا" (گنتی ۱۵—۳۶)

[3] مفہوم آیت ۱ و ۵،　　[4] مفہوم آیت ۸ و ۹،

[5] مفہوم آیت ۶،　　[6] مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۷،

اس کے علاوہ سفر استثنا ہی کے باب ۱۷ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت[1]،

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عیب دار دکھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیاؑ[2] نے وادیِ قیشون میں ایسے چارسو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنھوں نے بعل[3] کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا،

لہذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیا علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ ...... کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نعوذ باللہ یہ سب

---

[1] ملاحظہ ہو استثنا باب ۱۷ کی آیات ۲ تا ۶،

[3] بعل (Baal) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب نجوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انھوں نے سورج یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی "بعل" رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام کے دور میں یہوداہ کے بادشاہ اخی اب نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اسی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اس پر حضرت الیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ انہیں جھٹلایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سفر استثناء کے باب ۱۸ میں دیکھا جا سکتا ہے،

[2] ایلیا علیہ السلام، آپ کا قرآنی نام "الیاس علیہ السلام" ہے، تورات میں ایلیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، پیدائش تقریباً ۸۷۵ھ ق م، وفات ۸۹۳ھ ق م۔

احمق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھلی ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پولس قورنثیوس[1] والوں کے نام پہلے خط میں .... باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

"خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے"

یعنی مقدس پولس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے[2] سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ محکم ہے۔ اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں،

یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۵۲ پر (جواب منسوخ ہو چکا ہے) کہا ہے کہ:-

"بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت شریفہ[3] اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ میں لفظ انشق، سینشق کے معنی میں ہے"

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحبِ کشاف نے بعض

---

[1] قورنثیوس جنوبی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں (Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا دولتمند شہر تھا، اب تک اس کے بعض آثار پائے جاتے ہیں، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں پولس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲

[2] یعنی یہ کہ قتل مرتد نا جائز ہونا چاہئے ۱۲

[3] آیت شریفہ کے معنی ہیں "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا" اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہونے والا ہے" ۱۲

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اس وجہ سے فاضل محترم آلِ حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جدید نسخہ میں بدل ڈالا،

حل الاشکال کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمایئے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں[1] اور گیارہویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم نے بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

تیسرا قول چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے :-

"ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم[2] وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان"

یہ خالص مغالطہ ہی، کیوں کہ وجود بغیر تشخص کے نہیں پایا جا سکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہٖ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا ہے

---

[1] ملاحظہ فرمایئے کتاب ہذا، ص ۲۵۱ و ۲۶۰،

[2] "اقنوم" عبرانی زبان کا لفظ ہے، جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی "اصل" اور "عنصر" کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی جمع "اقانیم" ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے لوتھرین گرجا کے طریقہ پر عرصۂ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہی، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں ۱۸۱۸ء میں طبع ہوئی ہے) اس کے ص ۲۹ و ص ۳۰ پر ہے کہ:۔

"اے مقدس اور مبارک، اور عالی شان! تینوں جو ایک ہو، یعنی تین شخص اور ایک خدا ہم پریشان گنہگاروں پر رحم کر"

اس میں تین اشخاص کی تصریح موجود ہے۔

چوتھا قول صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے:۔

"بے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی[1] یا عرامائی[2] زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی[3] حواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے"

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب ۲، مقصد ۳ کے شاہد[4] ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کی عبارت

---

[1] اصل میں "عبرانی" یہودیوں کو کہتے ہیں، اور یہ "عابر" کی طرف نسبت ہی، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہی، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲

[2] عرامائی یا ارامی، زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲-۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں (Oxford Bible Concordance) میں لکھا ہی کہ یہ سوریا کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہی۔

[3] متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حواریوں میں سے ایک ہیں، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر وصول کرنے پر مامور تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں؟ اناجیل اربعہ میں سے ایک انجیل آپ ہی کی طرف منسوب ہی، اور اسے عیسائی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ وہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲ ت

[4] ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۱۳۷ (جلد ۲)

ہیں تین الفاظ ضرور قابلِ غور ہیں، اوّل لفظ "بعض علماء کا خیال ہے" دوسرے "شاید" کا لفظ، تیسرے "غالب" کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی بھی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

پانچواں قول صفحہ ۱۴۵ پر کہا گیا ہے :۔

"یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل (یعنی مرقس اور لوقا) حواریوں کی نہیں ہیں"

پھر صفحہ ۱۴۶ پر فرماتے ہیں :۔

"تمام قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اوّل میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی"

ملاحظہ کیجئے کہ وہ تینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتبِ اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انھوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے

ہیں کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے،

نیز انھوں نے گذشتہ قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ بعض علماء کا انجیل متی کی نسبت یہ خیال ہے کہ شاید وہ عبرانی یا عرامائی زبان میں تھی، اور پھر آخری قول میں اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ بعینہ وہی ہے جو ابتداء میں تھا، اسی طرح عنقریب باب ۱ فصل ۲ میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ رسالہ یعقوب اور رسالہ یہوداہ اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، نیز یوحنا[1] کا دوسرا و تیسرا رسالہ ان کی نسبت حواریوں کی جانب بلا حجت و سند تھی، اور ۳۶۳ء تک مشکوک رہی، اسی طرح یوحنا کے مشاہدات ۳۹۷ء تک مشکوک النسبۃ تھے، یہاں تک کہ نائس[2] کے جلسے اور لوڈیشیا[3] کے اجلاس نے بھی ان کی مشکوکیت باقی رکھی، اور اس کو مردود قرار دیا، اور سریانی[4] گرجے تو ابتداء سے آج تک پطرس کے دوسرے

---

[1] یوحنا (حاء مفتوح ہے) (John) حبیب بن زبدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اناجیل اربعہ میں سے چوتھی انجیل آپ ہی سے منسوب ہے، اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ میں تین خط اور ایک کتاب مکاشفہ بھی آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، آپ نے عمر بھر یہودیوں کے ظلم و ستم برداشت کئے، اور پہلی صدی عیسوی ہی میں آپ کا انتقال ہوا، یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی یوحنا کہتے ہیں، مگر اس کے ساتھ "المعمد" کی قید ہے یہاں وہ مراد نہیں ۱۲

[2] نائس، روما کے ایک شہر کا نام تھا، جہاں ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع بلایا تھا، تاکہ مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی صحیح بات محقق ہو جائے، اس اجلاس نے کتاب یہودیت کے سوا سب کو بدستور مشکوک قرار دیا تھا ۱۲

[3] لوڈیشیا کی مجلس بھی ۳۶۴ء میں اسی مقصد کے لئے منعقد ہوئی تھی، اور اس میں کتاب یہودیت کے علاوہ سات کتابیں بھی واجب التسلیم قرار دی گئی تھیں ۱۲

[4] سریانی دراصل ایک زبان تھی، پھر زبان بولنے والے عیسائی چونکہ (تقریباً پانچویں صدی عیسوی) میں انطاکیہ کے گرجا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (کچھ فلسفی مباحث میں) اختلاف کر کے الگ ہو گئے تھے اس لئے ان کے قائم مقام کئے ہوئے گرجوں کو سریانی گرجے کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا نام مونوفیسی (Mono physites) بھی ہے، اس فرقہ کے افراد کی تعداد تقریباً چودہ لاکھ ہے، اور یہ فرقہ دوسرے عیسائیوں کی بہ نسبت کسی قدر توحید کی طرف

رسالہ اور یہودا کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثہ محرفہ[1] مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اقرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہودا کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب ۸ کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷، موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف استفسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ:۔

"ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے"

چھٹا قول صفحہ ۱۴۶ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"سلسوس دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ:

پروٹسٹنٹ جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

---

[1] پادری فنڈر کے ساتھ مصنفؒ کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود فنڈر نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بہت کچھ تحریف کردی تھی، مصنفؒ اسے اپنی کتاب "مباحثہ محرفہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲

تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن[1] نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو عنقریب باب۲ ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر اُن کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء مصنفہ ولیم میور کے باب۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تحریف کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفلِ مناظرہ میں شریک تھے، اور انھوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبرآباد میں طبع بھی کرایا تھا، انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک محضر لکھ کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً (قاضی القضاۃ محمد اسداللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربرآوردہ اور حکومتِ انگریزی کے ارکان تھے)،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے، کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بانگِ دہل یوں کہہ رہا ہے:-

---

[1] Origen "متقدمین علماءِ عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے (پیدائش ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء)، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے اکثر مذہب سے متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطورِ خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

"عیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے"

اسی طرح فرقہ مانی کیز کان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں بآواز بلند اعلان کرتا ہے :-

"یہ بات محقق ہو کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے منسوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہِ راست نہیں رکھتا، اور اس نے معتقدین عیسیٰ کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں"

جیسا کہ آپ کو باب ۲ کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا۔

ساتواں قول صفحہ ۱۰۵ پر کہتا ہے :-

"کسی پیغمبر نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ ؑ کے فرستادہ تھے"

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اوّل تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے کیونکہ استفسار کے مصنف نے گوسالہ پرستی اور بُت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر پادری صاحب نے بُت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سلیمان علیہ السلام کے متعلق توریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی اختیار کرلی تھی، اور بت خانوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاوّل کے باب[1] ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارونؑ نبی نہ تھے قطعی باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب ۲ میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

آٹھواں قول پادری صاحب موصوف صفحہ ۱۵۲ پر آگسٹائن[2] کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

"کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا"

اس پر بھی دو اشکال ہیں. اوّل تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد (۱) میں آگسٹائن کا قول یوں بیان کیا گیا ہے :-

"واقعی یہودیوں نے توریت کے عبرانی نسخوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قطعی محرف کردیا جو طوفان سے پہلے گذر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دور تک ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور مسیحی

---

[1] آیت ۲ تا آیت ۱۳ ،

[2] آگسٹائن (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور بشپ اور فلاسفر جو افریقہ میں ۳۵۴ء کو پیدا ہوا، ۳۹۶ء میں ہپّو کا بشپ مقرر ہوا، اور ۴۳۰ء میں انتقال کرگیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیویارک سے "بیسک رائٹنگس آف سینٹ آگسٹین" کے نام سے شائع ہوگیا ہو، فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیڈروں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۲ ت

مذہب کے عناد و دشمنی نے اُن سے یہ حرکت کرائی، قدماء مسیحیین کا نظریہ بھی اسی قسم کا تھا، وہ

کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں ۱۳۰ء میں تحریف کی تھی ؟

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدماء مسیحیین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف ۱۳۰ء میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر ہے، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر ہو، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے۔ اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے ؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بہانگ دہل یہ کہتے آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے، محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا عہد عتیق وجدید کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہوسکتی ہے، استبشار کے مصنف نے تعجب اور تعریض کرتے ہوئے کہا ہے :-

"معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مصداق کیا ہے، شاید اُن کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہوکر آئے اور جعلسازی کے جرم میں دوامی جیل کی سزا پائے"

ضروری نوٹ:- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے وہ احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حدود سے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں:۔

"کس نے تحریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟

الحمد للہ: اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا کہ یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اور تحریف کا زمانہ سنہ ۱۳۰ء ہے، اور تحریف کا سبب دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تحریف کردہ الفاظ میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا دعویٰ کرنا کہ مسیح نے توریت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج مسیح کے عرصہ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں بلکہ جمہور قدماء مسیحین ہیں،

نواں قول صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں:۔

"انجیل بواسطہ حواریین کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے"

پھر کہتا ہے:۔

"حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور حالات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں"

یہ بھی اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ کے بیان میں ذکر کی ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہوگا اس کو اس امر کا یقین آجائے گا کہ پادری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو، بے شک انجیل کا نام اناجیل کے ہر صفحہ پر چھاپنے والوں اور کاتبوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت ہے نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھدیتے ہیں، اسی طرح لفظ قضاۃ، راعوت و استیر اور ایوب بھی کتاب القضاۃ، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جارہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونیکی دلیل نہیں ہوسکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجبِ تعجب ہے، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہوجانے کی بناء پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیساکہ استبشار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ:۔

"ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیساکہ پادری فنڈر ہے"

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفاء کریں،

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کرچکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کردیں تاکہ ناظرین کے لئے موجبِ بصیرت ہو،

عیسائی علماء کی دُوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضہ سے اُن کے حق میں یا اُن کے اہلِ مذہب کے حق میں نکل گئے ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصب و شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے ؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلے تو وہ اچھا، بہتر اور برمحل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے سی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں،

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ۱ پر کہتے ہیں :۔

"اُس مصنف کے حق میں پولس کا قول[1] صادق آتا ہے"،

پھر پولس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے :۔

"اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے"

اس عبارت میں انھوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں :۔

"مصنف نے تعصب کی بناء پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی"

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں :۔

"اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے"

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں :۔

"پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے لبریز ہے"

---

[1] یعنی طنزاً ۱۲

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں:۔

"کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے"

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ:۔

"مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا"

پھر صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گمراہی کے جال سے نکالے"

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ:۔

"یہ فقط اس کی جہالت اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے"

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ:

"ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے، اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے"

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ:

"دوسری باطل باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے"

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ:۔

"یہ قول باطل اور بیکار ہے"

صفحہ ۵۰ پر:۔

"یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے"

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ:۔

"مصنف کا دل تکبر اور عجب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے"

پھر اس صفحہ پر ہے کہ:۔

"یہ بعینہ جہالت اور انتہائی تکبر ہے"

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ:۔

"یہ اس کی قطعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے"

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ:۔

"اس کا بیان اعتبار کے درجہ سے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے"

پھر اس صفحہ پر ہے کہ:۔

"یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے"

صفحہ ۸۷ پر ہے کہ:۔

"وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن قرار دے محض نامعقول اور حیلہ حوالہ ہے"

یہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں. جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں اُن کا نمونہ کو ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے"

پھر صفحہ ۱۱۸ پر ہے کہ:

"پھر اب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں"

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ:

"انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں"

اپنے آخری خط میں فاضل ممدوح کے حق میں انھوں نے "فرار" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت قبیح ہے کہ اگر کسی دوسرے سے اُن کے حق

یں نکل جائے، تو شکریہ ادا فرماتے ہیں ، اور اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ میں نے یہ الفاظ
فاضل ممدوح کے حق میں اس لئے کہے ہیں کہ ان کے قلم سے اسرائیلی پیغمبروں کی شان میں
نامناسب الفاظ استعمال ہوتے ہیں، تو یہ محض فریب دہی اور مغالطہ ہے، کیونکہ فاضل
ممدوح نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ
الزامی دلائل میں پادریوں کی تقریروں اور ان کے الزامی اعتراضات کے مقابلہ میں استعمال
کئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے اوپر یہ بات لازم آئے گی، حالانکہ میں انبیاء علیہم السلام
کے حق میں بدگمانی سے پاک ہوں، جو صاحب چاہیں وہ کتاب کے صفحہ ۸ و صفحہ ۱۷۷ و صفحہ ۵۰۸
و ۵۹۴ و ۶۰۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء ملاحظہ فرمالیں، انھیں ہمارے بیان کی تائید ملے گی،

کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۸۹ پر تمام مسلمانوں کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ:۔

"مسلمان بڑے وسوسوں اور بیشمار باطل باتوں کے معتقد ہیں"

میرے دہلی واپس ہونے کے بعد پادری صاحب اور ڈاکٹر وزیر خاں صاحب کے
درمیان ایک تحریری مناظرہ ہوا، جو ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں طبع ہو چکا ہے، اس میں پادری صاحب
نے دوسرے خط مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۵۴ء میں یوں لکھا ہے کہ :۔

"شاید جناب بھی ان کے ہی زمرہ میں داخل ہیں، (یعنی دہریوں اور لامذہبوں کے)
جس طرح مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور باطن
میں لامذہب ہیں"

ڈاکٹر وزیر خاں نے اس کے جواب میں چند باتیں لکھی ہیں جن میں یہ دو باتیں بھی ذکر کی ہیں کہ
"تم نے عام مجمع میں اقرار کیا ہے کہ توریت کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں، اور تم نے
اس مجمع میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ سات یا آٹھ جگہ پر تحریف ہوئی ہے، اور متعدد

نسخوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کاتب کی وجہ سے حاشیہ کے فقروں اور جملوں کا متن میں داخل ہو جانا، اور بہت سے جملوں کا نکل جانا، اور بدل جانا بھی تم نے مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل میں تو سمجھتے ہو کہ مذہبِ عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ کتب مقدسہ منسوخ اور محرّف ہیں، اور ان کا تمہارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر ظاہر میں اس مذہب کو تھامے ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوتھرین کے گرجے کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سرخم کر دیا ہے، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ مجھ کو تمہارے ایک قلبی و جگری دوست (یعنی پادری فنڈر) سے معلوم ہوا ہے انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب نے اُن کی خوشنودیٔ مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو ڈاکٹر ممدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)۔"

اب ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں سنیں تبدیلیٔ مذہب کی جو دو وجوہات ڈاکٹر موصوف نے لکھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں کرتا، اور اگر تبدیلیٔ مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، مگر یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

باری کرتے ہیں،

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اور وہ ناپاک الفاظ جو اس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انھیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقلِ کفر کفر نباشد،

جب ۱۸۴۴ء میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحبِ استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

"ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیمی الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمھارے "پیغمبر" یا "مسلمانوں کے پیغمبر" کا لفظ استعمال کر سکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہے ورنہ ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی"

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۴۴ء میں یہ لکھا ہے:-

"خوب سمجھ لو! ہم تمھارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعی ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے "تمھارے پیغمبر یا مسلمانوں کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا" اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضیٰ ہو گا یہ بھی کہوں گا کہ "محمدؐ رسول نہیں ہیں" یا جھوٹے ہیں۔ لیکن تم ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ سچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے"

پھر اس خط میں جو ۳۱ جولائی ۱۸۵۴ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے:۔

"یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لائیں"

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۴ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے اس کے جواب مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا،

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ اُن کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ اُن کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے، کہ "اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے" اور اُس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے" اور اُس کی غرض و مقصد محض جھگڑا اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند کر دیا ہے، اور قطع نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بُت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بنا پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دونوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لامذہبوں کے گروہ میں داخل ہے، اور وہ بھگوڑا ہے[1]"

اسی طرح اگر اس کی کتاب میزان الحق کی شان میں یوں کہیں کہ وہ خالص مغالطوں اور محض فریب اور غلط دعاوی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ :-

"وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل دعووں اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے"

اسی طرح اس کی اُس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوئی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ "یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلتِ علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بدفہمی اور تعصب کی دلیل ہے، اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ بعینہٖ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی ناواقفیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے"

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ اُن کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذور رہیں، اور مسلمان عالم لائقِ ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

---

[1] یہ سب پادری صاحب کے الفاظ ہیں جو انھوں نے مسلمان علماء کی شان میں استعمال کئے ہیں، مصنفؒ انھیں الزاماً نقل کر رہے ہیں ۱۲

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہلِ مذہب کو ایذاء دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیساکہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

تیسری عادت

پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے زعم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعوٰے کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرینِ قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہارِ کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء بزبان فارسی باب ۳ فصل ۳ صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸، اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴ صفحہ ۱۵ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسّر کے لئے لازمی ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے بل بوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرأت کرے، دوسرے ضروری ہے کہ مضامین کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گذشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کو نہ توڑے"

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان ہی سے پورے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط اُن میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرما دیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم اُن کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل ہادی علی کے حق میں کہی ہے کہ "تکبر اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل و انصاف کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں" یا یہ کہہ دیں کہ "یہ عین جہالت اور تکبر ہے" تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہار حق ہوگا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں اُن کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماءِ اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ :-

"جو شخص کجروی کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر کے مطابق اور قوانینِ تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں"

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سُن لیا ہے، اب ہم اُن کے علم و فضل کے تین نمونے (تثلیث کے عدد کی رعایت سے) پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟

پہلا شاہد پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور

اُن کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے اُن آیاتِ قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اوّل کی فصل اوّل میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی تو بات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا قصور ہے، یہ نقش تو اُن کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو

دُوسرا شاہد

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت وکمال کے اظہار کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے:-

تمت هذه الرسالة فی سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث بعد الالف مسیحی بالمطابق مائتان واربعین ثمانية بعد الالف هجری

اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-

تمت هذه الاوراق فی سنة ثمانيه مأة وثلاثون السابعة بعد الالف مسیحی وفی سنة مائتان اثنا وخمسین بعد الالف من هجرة المحمدية۔[1]

---

[1] افسوس ہو کہ ان عبارتوں سے "لطف اندوز" ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جا سکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذور ہیں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہٖ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

نیز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں مع الف ولام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، اُدھر پادری صاحب موصوف کی کمالی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ موصوف وصفت دونوں کو معرف باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف سے الف لام کو ساقط کر دیا، یہ اُن کی تحریری فضیلت وکمال کا عکس ہے[1]،

تیسرا شاہد قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۴ پر انھوں نے پہلے سورۂ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ :-

"مریم ابنۃ عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا"

پھر سورۂ نساء کی آیت :-

"انما المسیح عیسی بن مریم رسول الله وکلمته القاها الی مریم وروح منه"

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی رُوح ہیں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس روح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہو، حالانکہ اس قول کا منشاء محض بغض وعداوت ہے، کیونکہ منه کی ضمیر جو دوسری آیت میں ہو اور لفظ روحنا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرفی قاعدہ کے بموجب

---

[1] قیاس کن ز گلستان من بہار مرا ۱۲ تقی

فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجع ہیں ؟

اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اوّل تو ہم یہ معلوم کرکے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم ازکم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہے؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے؟ محض اس کا نام سن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاء یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ بالا میں "روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشا محض عداوت و بغض ہے،

تیسرے سورۂ نساء کی آیت یوں ہے:۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

ترجمہ:۔ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے "کلمہ"[1] ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

[1] "کلمہ" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں (باقی صفحہ آئندہ)

القا کیا ہے، اور اس کی رُوح ہیں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے"

اس آیت میں ورود منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق "یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو" یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیحؑ کے بارہ میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں،

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے :۔" اور مت کہو کہ (اللہ) تین ہیں، باز آجاؤ اور اس بات کو مانو جو تمھارے لئے بہتر ہے" یہ الفاظ اُن کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت کی ہے، مثلاً :۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ، رکوع ۱۳)	"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے"

اور

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (مائدہ ۱۴)	"نہیں ہیں مسیح بن مریمؑ مگر ایک رسول"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ تھا اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہے، عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیا کرتے ہیں، مگر مصنف اظہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب ازالۃ الشکوک، صفحہ ۳۴ تا ۴۸ جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جس میں کلمۃ اللہ کے معنی قرآن، لغت عرب اور کتب مقدسہ کی رُو سے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گذشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عدیم النظیر اور یکتائے روزگار عالم اور بے مثل مفسّر نے عہدِ عتیق وجدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و عہد جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظرِ عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسّر اگر پورے غور و تأمل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستیِ رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوتِ فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حُسنِ ظن ہے کہ ان کے خیال میں اُن کا ردی ترجمہ اور رکیک تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور اُن کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں تکبر اور خود رائی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے:-

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ، "یعنی پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور اپنی رُوح اس میں پھونک دی"

اور سورۂ حجر اور سورۂ صٓ میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ	"اور جب میں اُسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا"

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے آدمؑ کے نفسِ ناطقہ پر اپنی رُوح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۂ مریم میں جبرئیلؑ کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :-

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ،	"پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا اپنی روح کو سو وہ اس کے سامنے پورا آدمی بنکر ظاہر ہوا" (مریم)

یہاں پر لفظ "ہماری رُوح" سے مراد جبرئیلؑ ہیں، کتاب حزقیالؑ کے باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیالؑ کے معجزہ سے زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے "اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا" اس میں بھی خدا نے انسان کے نفسِ ناطقہ[1] پر لفظ "اپنی روح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتاب حزقیالؑ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنار پر جبرئیلؑ و آدمؑ بھی معبود ہوں، لہٰذا سچی بات یہ ہے کہ وروح منہ میں "روح" سے مراد نفسِ ناطقہ ہی ہے، اور مضاف محذوف[2] ہے، یعنی ذو روح منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

---

[1] "نفسِ ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۲

[2] یعنی "اللہ کی جانب سے رُوح والا" ۱۲

اضافت تشریفی ہے، اور بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ (ودوح) ای ذو روح (منہ) اصدرمنہ بتوسط ما یجری مجری الاصل والمادۃ) "یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی ... اور اصل کے صادر ہوئی"۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی نہایت بچکانہ عبارت تھی، اور بعض فضلاء کے اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جد... نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال کی، جس کو نقل[۲] کرکے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب ہیں ذکر کرتے ہیں :-

---

[۱] یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرماتے ہیں، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا، اور فرمایا "طہر بیتی" (یعنی میرے گھر کو پاک کرو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ محض گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، ورنہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں مقیم ہے، اس اضافت کو "اضافت تشریفی" کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو "روح اللہ" کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ کعبہ کو "بیت اللہ" کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کی پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو سورۂ شمس میں "ناقۃ اللہ" (اللہ کی اونٹنی) فرمایا، یعنی وہ اونٹنی جو اللہ نے خلاف عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح "روح اللہ" کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر ما... اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنفؒ نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۳۱ تا ۴۴ میں بڑی مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہے، جس میں "روح" کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ سے ثابت کئے ہیں ۱۲ تقی

[۲] اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہٰذا قرآن نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سارے پیغمبروں پر فوقیت دی ہے، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہے، چنانچہ مصنفؒ نے اس کے ایک ایک جزء کی دھجیاں ...

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ایک واقعہ طیبیؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، وَكَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ،[1]

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو ہے

اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقدؒ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً:۔ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ،[2] اب اگر رُوحٌ مِّنْهُ کے معنی اس کے "جزو" کے لئے جائیں تو جَمِيعًا مِّنْهُ کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لازم آئے گا کہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور ایمان لے آیا۔

دوسرا واقعہ عیسائی فرقہ کے کچھ لوگوں نے دہلی میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنا دیا کہ قرآن سے سات خداؤں کے وجود پر

(بقیہ صفحہ سابقہ) بکھیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی "الوہیت" پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالۃ الشکوک کے صفحہ ۴۲ تا ۵۰ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطر میں قیمتی مواد ہے ۱۲

[1] یعنی "(حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریمؑ پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں" ۱۲

[2] یعنی "اور اللہ نے تمہارے لئے وہ سب مسخر کر دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ سب اسی کی طرف سے ہے" ت

استدلال کرو، ان سات خداؤں کا وجود سورۂ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے:

حٰمٓ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تمھارے لئے ضروری ہوگا کہ قرآن کریم کی سورۂ حشر کی آخری آیات سے جن میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء ذاتی وصفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کرو،

ہمارے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہوگی، ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے

اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے ہیں کیا اُن کے پیشِ نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ "یہ مواد جس کوئی بنیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلتِ علم اور باریک بین نہ ہونے پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شُد بُد ہوتی تو وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے" یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہوگا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بات جائز ہو کہ اگر انھیں اپنے مخالف کلام میں پانچ چھ اقوال ایسے مل جائیں جو ان کے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں تو مخالف کے حق میں تو وہ ایسا کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر مخالف ان کے کلام میں قطعی باطل اقوال اس مقدار سے چھ گنا بھی زیادہ پائیں تو اس کو پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہوگا، پہلی صورت میں پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ "وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

کے واپس لوٹانے سے تو عاجز ہو[1]"

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جو بھی میری کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا لحاظ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفاء کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پروٹسٹنٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہئے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب الجواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جواب نہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کرینگے، اور کمزور اور بودے بہانے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہوگا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

---

[1] عربی کے الفاظ یہ ہیں "لا تفتح باباً یعییک سدّہ، ولا ترم سہماً یعجزک ردّہ" ۱۲

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رَد کا کُل حجم اس حد تک نہیں پہونچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہے دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہونچ سکی ہیں، یا پھر فرقہ پروٹسٹنٹ کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ ان کی حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیساکہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی کسی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائے تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں ؂

پہلا باب[۱]

بائبل کیا ہے؟

○ بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجۂ استناد
○ اُن کے باہمی اختلافات
○ اُن کی فحش غلطیاں

ان هی الا اسماء سمیتموها انتم وآباؤکم ما انزل الله بها من سلطان۔
(آیت النجم)

یہ کچھ نہیں

مگر چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔

اللہ نے

ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے

(النجم)

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدمائے مسیحین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

عہد قدیم کی پہلی قسم

اس مجموعہ میں ۳۸ کتابیں ہیں، (۱) سفر تکوین[1]، اس کا دوسرا نام سفر الخلیقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج[2]، (۳) سفر احبار[3] (۴) سفر عدد[4] (۵) سفر استثناء[5]،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی مجازاً یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

---

[1] سین کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ "سِفر" ہے جس کے معنی عربی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں ۱۲ ت
...نام "پیدائش" ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی ... حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، اور حضرت یوسف علیہم السلام ...رت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہے، اس کے ۵۰ باب ہیں ۱۲

[2] ...وج" ہی ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ...دعوتِ اسلام، فرعون کے غرق اور کوہِ سینا پر اللہ سے ہمکلامی کے واقعات اور تورات ...رائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے خروج ...کے مصر سے نکلنے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲ ت

[3] ...ر" ہی ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں ...رہیں کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے دوران انہیں دیئے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں

[4] ...ن" کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی ...ان کے کنعان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام ...ر دیئے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۱۲

[5] ..." اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے ... مذکور ہیں جو "گنتی" کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک

(۶) کتابِ[۱] یوشع بن نون (۷) کتابِ[۲] القضاۃ (۸) کتابِ[۳] راعوت (۹) سفرِ[۴] صموئیل اوّل (۱۰) سفرِ[۵] صموئیل ثانی (۱۱) سفرِ[۶] ملوک الاوّل ------

[۱] اس کا نام اردو ترجمہ میں "یشوع" اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر عمالقہ سے جہاد کیا، جس میں فتحیاب ہوئے، اس کتاب میں اُن کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

[۲] اسے اردو میں بھی "قضاۃ" اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالتِ زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، اُن کی بُت پرستی اور بدکاریوں کی بنا پر بار بار اللہ تعالیٰ اُن پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کر دیتا جو اُن پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو اُن کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انھیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ اُن پر مسلط ہو جاتا، اور چونکہ اُس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ "قاضی" کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام "قضاۃ" ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

[۳] اس کا نام اردو میں "روت" اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا عوبید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی خاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوعز سے شادی کی، جن سے عوبید اُن سے پیدا ہوئے اور ان سے حضرت داؤدؑ پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

[۴] اس کا نام اردو میں "سموئیل" Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو حضرت کالب علیہ السلام کے بعد نبی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طالوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اوّل میں آپ کی نبوت، طالوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤدؑ کا جالوت کو قتل کرنا اور طالوت کی موت تک کے واقعات مذکور ہیں، اس میں کُل ۳۱ باب ہیں ۱۲

[۵] اس کتاب میں طالوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طالوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

[۶] اسے اردو میں "سلاطین" اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑھاپے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، اُن کے دورِ حکومت، انکی وفات اور ان کے بعد اُن کے بیٹوں کے احوال، بادشاہ اخی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کُل ۲۲ باب ہیں ۱۲ ت

(۱۲) سفر الملوک الثانی[ل] (۱۳) السفر الاول من اخبار الایام[ل] (۱۴) السفر الثانی من اخبار الایام[ل] (۱۵) السفر الاول لعزراء[ل] (۱۶) السفر الثانی لعزراء، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا[ل] بھی ہے،

ل اس میں اخی اب کی وفات سے صدقیاہ کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے کُل ۲۵ باب ہیں ۱۲

ل۲ اس کو اردو میں "تواریخ" اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، ۱۲ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرۂ نسب، حضرت تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدرے تفصیلی حالات ذ اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۲ تقی

ل۳ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے احوال صدقیاہ تک مرقوم ہیں، اور بنوکدنصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے اس کے کل ۳۶ باب ہیں ۱۲ تقی

ل۴ اس کا نام اردو میں عزراء اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فارس (جسے تورات میں خورس کہا گیا ہے) کا بنوکدنصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا جلاوطن یہودیوں کو اپنے وطن واپس لانا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت حجی علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں کُل ۱۰ باب ہیں ۱۲ ت

ل۵ نحمیاہ Nehemiah شروع میں یہ آرتخششتا Artaxerxes شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنوکدنصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُجڑنے کی خبر ملی تو بادشاہ سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کیے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر میں حصہ لیا اُن کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ء ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے کُل ۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱۷) کتابِ ایوب (۱۸) زبور (۱۹) امثالِ سلیمان (۲۰) کتابِ الجامعہ (۲۱) کتابِ نشید الانشاد، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلہ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Job کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحرمیت سے مشرق میں ایک شہر عوص کے نام سے تھا، آپ وہاں پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی، توراۃ میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے، اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوبؑ کے تین دوستوں تیمانی، الیفز، سوخی بلدد اور نعماتی ضوفر کے ساتھ مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوبؑ پر یہ بلائیں ان کی کسی خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں ۴۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲ تقی

سلہ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms ہے، یہ اسی کتاب کی محرف شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی" یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ نغمے (مزامیر) ہیں ۱۲

سلہ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Broverbs کہتے ہیں، یہ امثال اور حکمتوں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اول (۴-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں ۱۲

سلہ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclesiastes کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا واعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۲

سلہ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی میں Songs of Solomon ہے، اور یہ بقول نصاریٰ ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب سلاطین اول میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۴-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۲ ت

(۲۲) کتاب[1] اشعیاء (۲۳) کتاب[2] ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاء[3]........

[1] اس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاء بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سنحیرب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاء علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جس کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے، کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت شعیاہؑ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیاہ، یوتام، آخز اور حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

[2] اردو میں اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jermiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت شعیاہؑ کے خلیفہ تھے، اور یوسیاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کو روکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہو گیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپ نے اس بات کو ظاہر فرما دیا، اور تورات کے مطابق انھیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپ کو اذیتیں دیں تو بالآخر بنوکد نصر (جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے) نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست و نابود ہو گیا، تو آپ مصر تشریف لیگئے، قرآن کریم نے اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ الخ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو بداعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کل ۵۶ باب ہیں ۱۲

[3] اسے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں Lamentations کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہو گیا اور بنی اسرائیل پر سخت عذاب آیا تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحے کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کل ۵ باب ہیں ۱۲ تقی

(۲۵) کتاب حزقیال (۲۶) کتاب دانیال (۲۷) کتاب ہوشع (۲۸) کتاب یوایل (۲۹) کتاب عاموس

۱ اس کا نام اردو میں "حزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پیچھے گذر چکا ہے) اور اس میں اُن کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

۲ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے، یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں توریت کی یہ روایت ہے کہ بنوکد نصّر جن حکماء کو یہوداہ سے جلاوطن کر کے بابل لے گیا تھا اُن میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتلانے پر انھیں صوبۂ بابل کا حاکم بنادیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو اُن کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیالؑ کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ اباب ہیں ۱۲

۳ اس کا نام اردو میں "ہوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ ہوسیع بن بیری نبی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر ہمیں نہیں ملا) جو یہوداہ کے بادشاہ عزیاہ، یوتام، آخز، اور حزقیاہ کے زمانوں (نویں صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اسی زمانہ میں یہ کلام اُن پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بداعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ اباب ہیں ۱۲ ت

۴ کتاب یوایل، اردو میں بھی اس کا نام یوایل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات نبی ہیں، اور اس تین بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بداعمالیوں سے باز آنے اور روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲ ت

۵ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات نبی تھے، شروع میں تقوع شہر Teko'a میں چرواہے تھے، پھر تقریباً ۷۸۳ ق م میں نبی ہوئے، اور عزیاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب اُن پر نازل ہوئی جس میں بنی اسرائیل کو بدکاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزا میں ان پر شاہ اسور Assyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲ تقی

(۳۰) کتاب[۵۱] عبدیاہ (۳۱) کتاب[۵۲] یونان (۳۲) کتاب[۵۳] میخا (۳۳) کتاب[۵۴] ناحوم (۳۴) کتاب[۵۵] حبقوق (۳۵) صفونیا[۵۶] ۔

---

[۵۱] عبدیاہ Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول نصاریٰ حضرت عبدیا علیہ السلام کا ایک خواب لکھا ہی، اس خواب میں شہر ادوم Adom کے متعلق کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ت

[۵۲] اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو مشہور پیغمبر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے نینوا کی جانب مبعوث ہونے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہی، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصے سے قدرے مختلف ہے ۱۲

[۵۳] اسے اردو میں "میکاہ" اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخا مورشتی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کو اُن کی بداعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کر کے نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین $\frac{۳۲}{۲۹}$ میں اور یرمیاہ $\frac{۲۶}{۱۸}$ میں مذکور ہے، اس کتاب میں ۷ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۲

[۵۴] ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا کہیں سُراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں اُن کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں نینوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲ ت

[۵۵] حبقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانہ بعثت مشکوک ہی، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنوکد نصر کے حملۂ یروشلم سے قبل تھے، کتاب حبقوق میں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیوں پر توبیخ اور حملۂ بنوکد نصر کی پیشگوئی ہے اس کے ۳ باب ہیں ۱۲

[۵۶] اردو میں صفنیاہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ جو تین بابوں پر مشتمل ہی بنی اسرائیل کو عذاب بنوکد نصر سے ڈرایا ۱۲ تقی

(۳۶) کتاب[1] حجی (۳۷) کتاب[2] زکریا (۳۸) کتاب[3] ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گذرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدماء مسیحیین کے نزدیک معتمد اور معتبر و تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ[4] کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلّم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] حجیٰ، الف مقصورہ کے ساتھ Haggai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ (تقریباً ۵۲۲ ق م) میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزرا (۵) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو توبیخ ہے ۱۲ ت

[2] زکریاہ Zechariah یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی (۳ و ۹) پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ (واضح رہے کہ یہ زکریا علیہ السلام نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے)

[3] اس کا تلفظ اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی (۳:۱) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ت

[4] "سامری" یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامرہ Somaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں سے بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسلّمہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنفؒ نے بیان فرمایا ہے، دوسرے عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریزیم پر عبادت کرتے ہیں، جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منسّی نے (جس کا ذکر عزرا (۱۰) میں ہے) ایک ہیکل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

عہدِ عتیق کی دُوسری قسم

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل ۹ کتابیں ہیں:۔

(۱) کتاب[1] آستر (۲) کتاب[2] باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب[3] طوبیا (۵) کتاب[4] یہودیت (۶) کتاب[5] دانش

---

[1] اسے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخسویرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہوکر اس سے شادی کرلی، اس کے وزیر ہامان نے آستر کے باپ مردکے سے ناراض ہوکر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو رُکوایا، یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

[2] اس کا نام اردو میں "بارو ک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام کے شاگرد اور اُن کے کاتبِ وحی تھے، ہر دُکھ درد میں اُن کے ساتھ رہے، جیساکہ کتاب (یرمیاہ ۳۲: ۱۳ تا ۱۶ اور ۳۶: ۴ تا ۳۲ اور ۴۳: ۳ تا ۱۶ اور ۴۵: ۱ تا ۳) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقۂ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں، کیتھولک بائبل میں ہے ۱۲

[3] طوبیا Tobit، نفتالی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں اشور چلا گیا تھا، اس کا لقب "البار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پُرخطر سفر اور اس کی عشقیہ داستان کا تذکرہ ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

[4] "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک عشقیہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے

[5] اسے دانشِ سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں، یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تقی

(۷) کلیسائی پند[1] ونصائح (۸) کتاب[2] المقابین الاول (۹) کتاب[3] المقابین الثانی

عہد جدید کی کتابیں یہ کل بیس[4] ہیں

وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہے	یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی[4] (۲) انجیل[5] مرقس (۳) انجیل[6] لوقا -------

[1] کلیسائی پند ونصائح Ecclesiasticus یا واعظ، یہ ۲۰۰ ق م کے ایک شخص مسیح ابن سردش کے پوتے کی طرف منسوب ہے، اور اس میں ابن سردش کی کچھ حکمتیں درج ہیں، اور ادبی اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

[2] مکابیوں کی پہلی کتاب ہے، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگذشت ہے ۱۲ ت

[3] مکابیوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایسڈریس تین بچوں کا گیت، بعل اور اژدہا اور منسی کی دعا پانچ کتابیں بھی مختلف فیہ ہیں اور انہی چودہ کتابوں کے مجموعہ کو "اپاکرفا" Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ انھیں الہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۲ ت

[4] یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۰۷ کا حاشیہ ۳) اور اس میں حضرت عیسیٰؑ کے نسب نامہ سے لیکر عروج سما تک کے واقعات درج ہیں، ضمناً بہت سے احکام بھی آئے ہیں، اس کے کل باب ۲۸ ہیں ۱۲ ت

[5] یہ مرقس (میم اور قاف پر پیش ہے) یہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری جناب پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲۴۹) کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا کلیسا انہوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں ۶۸ء میں قتل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیحؑ کی تشریف آوری پر دی گئیں اور حضرت عیسیٰؑ کے عروج آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ ابواب ہیں، انگریزی میں اسے Mark کہا جاتا ہے

[6] لوقا Luke اپنے زمانہ میں طبیب تھے، پولس کے سفروں میں اُن کے ساتھ رہے جیسا کہ (کلسیوں کے نام ۴: ۱۴) اور (اعمال ۱۶) سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً ۷۰ء میں انتقال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں عروج آسمان تک کے واقعات واحکام درج ہیں ۱۲ تقی

(۴) انجیل یوحنا، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ معرب ہے، اصل یونانی لفظ انکلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب اعمال حوارین (۶) پولس کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس کا خط

---

[۱] یوحنا (دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہا ہے) کی تشریف آوری کے بعد کے حالات سے حضرت عیسیٰؑ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲ ت

[۲] اردو میں اس کا نام "رسولوں کے اعمال" Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیفلس کو یہ صحیفہ لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰؑ کے بعد حواریین کی کارگزاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال، اس کے روما پہنچنے تک (تقریباً ۶۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲ ت

[۳] The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶ پر) گذر چکے، اس خط میں اس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے طیبر Tiber کے مخرج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۱) اس خط کا طول لا تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۱۲ ت

[۴] Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اول تو انھیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے، پھر باب میں کچھ عائلی احکام دیئے گئے ہیں، باب سے بت پرستی کی برائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب ۱۲ سے انھیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب ۱۵ میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب ۱۶ میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے ۱۲ تقی

قورنیثوس کی جانب (۸) دوسرا خط انہی کی طرف (۹) پولس کا خط اغلاطیہ والوں کی طرف (۱۰) پولس کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلپس والوں کی طرف (۱۲) پولس کا خط قولاسائس والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیقی والوں کی جانب،

لے شروع کے ۹ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں، پھر باب سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ تقی

ے "گلتیوں کے نام" Galatians یہ گلتیہ (Galatia) کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام انقرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ۵۳ء میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں کے لوگ کسی اور مذہب سے متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انھیں ارتداد سے روکنے اور اپنے مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ ت

سے افسس Ephesus ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنا دیا تھا، (دیکھئے اعمال ۱۹: ۱۰) ان کے نام خط میں، جو ۶ بابوں پر مشتمل ہے، انھیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۲

کے "فلپی" Philippi کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے۔ جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا (اعمال ۱۶: ۱۲-۴۰) اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

شہ اس کا نام اردو میں "کلسے" Colosae ہے: یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر تھا، اس خط میں مسیحیت پر ان کی ہمت افزائی اور بداخلاقیوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۲

لے "تھسلنیکے" Thessalonica مقدونیہ کا ایک شہر جو آجکل ترکی میں ہے اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲ ت

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ[۱] ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ[۲] تیمو تاوس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ[۳] اُسی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ[۴] تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ[۵] فیلیمون کی جانب (۱۹) پطرس کا پہلا رسالہ[۶] (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ، سوائے بعض جملوں کے،

عہدِ جدید کی دوسری قسم

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کُل سات کتابیں ہیں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اول کے:-

(۱) پولس کا رسالہ جو عبرانیوں کی جانب ہے

---

[۱] اس خط میں مخاطبین کی نیکیوں پر انکی ہمت افزائی اور انکے طرز عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کُل ۳ باب ہیں ۱۲ تقی

[۲] تیمتھیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا (اعمال ۱۶: ۱، ۳) و (۱۷: ۱۴) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱: کرنتھیون ۱۶: ۱۰) و (فلپیون ۲: ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲ تقی

[۳] اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتھیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر زمانہ سے متعلق پیش گوئیاں ہیں جو ۴ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲ ت

[۴] طِطُس Titus یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلتیون ۲: ۱) پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیون ۳: ۱۳) پولس نے اسے کریتے شہر Crete میں چھوڑا تھا، تاکہ وہ تبلیغ کرے (طِطُس ۱: ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بشپوں کی صفات مذکور ہیں، ۳ باب ہیں ۱۲

[۵] فلیمون Philemon پولس کا ہمسفر اور ساتھی تھا، انسمس کو پولس نے اس کے پاس بھیجتے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲ ت

[۶] پطرس Peter تعارف کرایا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ اُن کا عام خط ہے، اور اس کے مخاطب پنطس، گلتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور بتھنیہ کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲ ت

[۷] اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ ت [۸] اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گذر چکا دیکھئے صفحہ ۱۰۷ کا حاشیہ، ۱۲ تقی

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ[1] (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ[2] (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ[3] (۵) یعقوب کا رسالہ[4] (۶) یہودا کا رسالہ[5] (۷) مشاہداتِ یوحنا[6]،

کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء کی مجلسیں

اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ۳۲۵ء میں بادشاہ قسطنطین[7] کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائس[8] میں ہوا، تاکہ مشکوک

---

[1] اس میں جھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت

[2] یہ خط ایک خاتون کے نام ہے جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اس میں ۱۳ آیتیں ہیں ۱۲ تقی

[3] یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخاطب کی تعریف اور ہمت افزائی ہے ۱۲ تقی

[4] یہ یعقوب James بن یوسف نجار ہیں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں ... اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر بکثرت آیا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حواریین میں سے ایک یعقوب بن زبدی یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں) اس عام خط میں انھوں نے مختلف اخلاقی ہدایات دی ہیں ۱۲

[5] یہوداہ اور تدّاوس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۱۴: ۲۲) میں ہے، اس خط میں جھوٹے دعویداروں سے اجتناب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کرایا تھا یہ نہیں وہ یہودا اسکریوتی ہے) ۱۲

[6] یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۲ ت

[7] یہ قسطنطین اوّل Cousiantine I ہے، جس کے نام پر بیزنطیہ کو قسطنطنیہ کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۲ ت

[8] شہر نائس، اس شہر کا مشہور نام نیقیہ Nicaea ہے، اور یہاں جو عیسائیوں کی کونسل ہوئی تھی اسے نیقاوی

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہوجائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہوجاتی ہے جو جیروم[1] نے اس کتاب پر لکھا ہے،

اس کے بعد ایک دوسری مجلس سنہ ۳۶۴ء منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتابِ یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پر سات دیگر کتابوں کا اضافہ کرکے اُن کو واجب التسلیم قرار دیا:۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کا رسالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہوداہ کا رسالہ (۷) پولس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب،

اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ مؤکد کردیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسلّمہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی،

اس کے بعد سنہ ۳۹۷ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارتھیج[2] کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکاء میں عیسائیوں کا مشہور فاضل آگسٹائن اور ایک سو چبیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

---

[1] St Jerome عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر سنہ ۳۴۰ء میں پیدا ہوا اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اس سلسلہ میں اس کی بہت تصانیف ہیں، سنہ ۴۲۰ء میں انتقال ہوا، لیکن یہاں پر وہ مراد نہیں ہوسکتا، اس لئے بظاہر جان ہس کا شاگرد جیروم متوفی سنہ ۱۴۱۶ء مراد ہے

[2] Carthage

دستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا :-

(۱) کتاب دانش (۲) کتاب طوبیاہ (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیساتی پند و نصائح (۵، ۶) مقابین کی دونوں کتابیں (۷) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکاء نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاہ کا تقریباً جزو قرار دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاہ علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے ان لوگوں نے اسماء کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ، ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارتھیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا، صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان اسلاف کے فیصلوں سے فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۲۰۰ء تک بدستور قائم رہی، یہاں تک کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا، جنھوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف کتاب باروخ، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرد اور غیر مسلّم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں اُن کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے، جس کے شروع کے ۹ ابواب اور باب ۱۰ کی تین آیتوں کے متعلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب التسلیم ہیں، اور باقی چھ ابواب واجب الرّد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کیے:۔

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جالدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے،

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ جیروم کہتا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لیے کافی نہیں ہیں،

۵۔ کلوس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں،

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے اُن کو تسلیم نہیں کیا، یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۳ کا مآل ایک ہی ہوا،

۶۔ یوسی بیس نے کتاب رابع کے باب ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرّف ہو چکی ہیں خصوصاً مقابین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجیے دلیل نمبر ۱ و ۲ و ۶ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور بزرگوں کی اس بددیانتی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب التسلیم ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور ماخذ ناپید ہو چکے ہوں، ان کے صرف تراجم باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہو چکی ہیں، بالخصوص مقابین کی دوسری کتاب، اب بتایئے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں اُن کے اجماع یا اتفاق کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیتھولک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں،

ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے
کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطہ
سے لکھی گئی، اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے
پہونچی ہے، اور کسی صاحبِ الہام کی جانب محض گمان و وہم کی بنیاد پر نسبت کر
اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا ۲ و ۳ ہم نے
ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تکوین کی سفر صغیر، کتابُ المعراج بیان کرتے ہوئے
کتاب ٹسٹمنٹ اور کتابُ الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ور وہ نسخہ جو اس کے
سفر رابع عزراء کا عزراء کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج بھروسہ نہیں کیا جا سکتا
مشاہداتِ اشعیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام
علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو اُن کی جانب منسوب ہے، اور سلام اور حضرت صفنیاء
جو حبقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبور
کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب ملنے کا واقعہ مذکور ہے جس
ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل
ہیں جو ستر سے متجاوز ہیں، اور عیسیٰؑ و مریمؑ اور حواریوں کی اور ۲۲/۲۱ میں تصریح ہے کہ قاضیوں
نائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی
منسوب ہیں،
شیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا
اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت
دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ کے تمام کلیسا

عزرا کی تیسری کتاب جو اُن کی طرف منسوب ہے، گریک کے گرجے کے نزدیک، عہدِ عتیق کا
جزو اور مقدس و واجب التسلیم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت
جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ باب ۲ میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپکو
معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دانش و
کتاب پند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک
کے نزدیک واجب التسلیم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،
۴- جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی حواری یا نبی کی
۵- کملو سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب التسلیم ہو گئی؟ اسی طرح
ہیں کہتا ہے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے
نہیں کیا، یعنی اس بڑے علماء سے سندِ متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور
۶- یوسی بیس س مناظرہ میں جو ہیرا اور اُن کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے
مقابین کی دوسری کتا نے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ
ملاحظہ کیجئے دلیمانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے اُن کی اسناد کی کتابوں میں
بزرگوں کی س بد دیانتی ارسوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس
ہونے پر اتفاق کرنا غلط محض قرائن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں
باقی ہیں، اور جو یہ دیوں کے ت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہذا جب تک وہ لوگ
کتاب، اب بتایئے کہ ایسی سل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہوگا، دلیل
کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس ری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے
اسلاف کی اتباع میں تسلیم پر گفتگو کرنا چونکہ موجب تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:۔

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ اُن کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں:۔

موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں

اس کے دلائل

پہلی دلیل

باب ۲ مغالطہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلہ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیا[1] بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا[2] ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ

---

[1] یوسیاہ Josiah یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی

[2] ۲۔سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسیاہ سے بہت پہلے سے توریت کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل صاف کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اُسے اپنا دستور العمل بنالیا، $\frac{۲۳}{۲۱}$ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے زمانہ کے بعد سے "عید فسح" (دیکھئے حاشیہ ص ۳۴۴) اس کتاب کے مطابق نہیں منائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر منائی گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی صحیفہ کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا ماننے والا سالہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی

بخت نصر[1] کے حادثہ سے پہلے ضائع ہو چکا، اس حادثہ میں نہ صرف توریت معدوم ہو گئی بلکہ عہد عتیق کی تمام کتابیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، اور پھر جب عزراؑ نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق ان کتابوں کو لکھا[2] تو وہ نسخہ بھی اور اس کی تمام نقول انٹیوکس کے حادثہ[3] میں ضائع ہو گئیں،

دوسری دلیل تمام اہل کتاب کا مسلک یہ ہے کہ تواریخ کی پہلی اور دوسری کتاب عزرا علیہ السلام نے حجی اور زکریا پیغمبروں کی اعانت سے لکھی ہے

[1] بخت نصر جسے بنوکدنصر Nabuchodonosor بھی کہتے ہیں، (تورات میں یہی نام مذکور ہے) بابل کا بادشاہ تھا جس نے یروشلم پر حملہ کرکے اسے بری طرح تاخت و تاراج کیا، یہ ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بھیجا گیا تھا، اور جس کی پیشینگوئیاں کئی انبیاء علیہم السلام نے کی تھی ۱۲

[2] دیکھئے ۲۔ ایسدرس ۱۴: ۱۹-۴۸ جس میں ان کتابوں کے نذر آتش ہونے کا واقعہ مذکور ہے، کیتھولک فرقہ اس کتاب کو اب بھی تسلیم کرتا ہے، اگرچہ پروٹسٹنٹ سرے سے اس واقعہ ہی کا منکر ہے (ہماری کتب مقدسہ، ص ۴۵) لیکن نحمیاہ کے باب ۸ میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ایسدرس کی تائید کرتا ہے، اس سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ کتاب توریت ضائع ہو گئی تھی، اور حضرت عزراؑ نے لکھ کر پھر سب لوگوں کے سامنے اُسے پڑھا، عجیب بات ہے کہ کیتھولک بائبل Knox Version مطبوعہ ۱۹۶۳ء میں بھی ایسدرس سے وہ باب ہی حذف کر دیا گیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، اس نسخہ میں ایسدرس کی دوسری کتاب تیرھویں باب پر ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے پاس اگرچہ ایسدرس کا اس کے سوا کوئی نسخہ نہیں ہے جس سے وہ عبارت نقل کی جائے لیکن خود عیسائی حضرات کی کتابوں میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایسدرس میں یہ واقعہ موجود ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: "یقینی طور پر ہم ۲۔ ایسدرس ۱۴: ۲۰ تا ۲۶ میں یہ روایت پڑھتے ہیں کہ توریت چونکہ جل چکی تھی، اس لئے عزراؑ نے اُسے دوبارہ لکھا" (ص ۵۰۱، ج ۳، مقالہ بائبل بحث عہد قدیم فہرست مسلمہ)، پادری جی ٹی مینلی نے بھی بائبل ہینڈ بک میں ایسدرس کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے (ص ۱۵)

[3] انتیوکس چہارم ایپی فینس Antiochus ایشائے قریب کا مشہور بادشاہ جس نے ۱۶۸ ق م میں یروشلم پر قبضہ کرکے اس کو تباہ کر دیا تھا، اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی، مکابیوں کی پہلی کتاب میں اسکے حملہ کی داستان اور تورات کے جلائے جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۱: ۵۹)، تقی

مگر تینوں پیغمبروں کا کلام سفر اوّل کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دو اعتبار سے مخالفت کی ہے، اوّل تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ باب[1] سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور باب[2] سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور تورات[3] سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اوّل کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشاء یہ بیان کیا ہے کہ عزرا نے ... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن سے انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں پیغمبر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ علیہ السلام والی تورات یہی مشہور توریت مانی جائے تو یہ تینوں پیغمبر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرائے کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کرکے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرائے نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

---

[1] بنی بنیامین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعیل، یہ تینوں (۱۔ تواریخ ۷: ۶)

[2] اور بنیامین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا، دوسرا اشبیل، تیسرا اخرخ، چوتھا نوحہ اور پانچواں رفا (۸: ۱)

[3] "بنی بنیمین یہ ہیں، بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان، اخی، اور روس، مفیم اور حفیم، اور ارد (پیدائش ۴۶: ۲۱) تقی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہی جس کو عزرائیلؑ نے لکھا تھا، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ ان قصّوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کئے بغیر جمع کر دیا تھا، ان تینوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک پیغمبر جس طرح کبائر کے صدور سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح تحریر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اول کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

تیسری دلیل

جو شخص بھی کتاب حزقیالؑ کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور یہ بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں تین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸، آیۃ ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اُٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی"۔

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

لہ ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تقی

یہی حق بات ہے، چنانچہ قرآن نے کہا ہے:۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (نجم)	"اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی"

چوتھی دلیل جو شخص کتاب زبور اور کتاب نحمیاہ و کتاب ارمیاہ و کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنے حالات یا دیکھے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰؑ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰؑ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰؑ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰؑ کو تمام مقامات پر غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰؑ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے متکلم کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ متکلم کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایۂ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو صاحب استثناء کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی،

اور دوبارہ خداوند

پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہوسکتی کہ یہ موسیٰؑ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مؤلف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہوسکتا، بلکہ یا ان کا ہمعصر ہوسکتا ہے، یا اُن کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب۲ کے مقصد ۲ میں انشاء اللہ تفصیل سے آنیوالے ہیں مسیحی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پیغمبر نے بڑھادیے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ اُن کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پیغمبر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں ہی، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰؑ کی تصنیف نہیں ہے،

چھٹی دلیل

خلاصہ سیف المسلمین کے مصنف نے انسائیکلوپیڈیا پینی جلد سے نقل کیا ہے :۔

"ڈاکٹر سکندر گیدس نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہا ہے کہ":۔

مجھکو مخفی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوئی ہیں :(۱) موجودہ توراۃ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کنعان کے یا یروشلیم میں لکھی گئی ہی، یعنی عہد موسوی میں، جب کہ بنی اسرائیل کی تفصیلات تھے نہیں

لکھی گئی، اس کی تالیف داؤد علیہ السلام سے پہلے اور حزقیال ؑ کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور یعنی ولادت مسیح ؑ سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور جس میں ہومر شاعر بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوتی ہے "

ساتویں دلیل

فاضل نورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ:۔

" توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتدبہ اور کافی فرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۹۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتدبہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل لیوسلن نے جن کو عبرانی زبان میں مہارت تامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں"

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور ظاہر ہے کہ نورٹن اور لیوسلن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

آٹھویں دلیل

کتاب استثناء باب ۲۷ آیت ۵ میں ہے کہ:۔

" اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا

اور لوہے کا کوئی آوزار اُن پر نہ لگانا۔"

پھر آیت ۸ میں ہے:۔

"اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا۔"

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۸۳۵ء میں یوں ہے کہ:۔

وبرآں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ بحسنِ وضاحت تحریر نما۔	"اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو حسن وضاحت سے لکھ"

اور سنہ ۱۸۴۵ء کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

وبراں سنگہا تمامی کلمات ایں توراۃ را بخط روشن بنویس،	"اور ان پتھروں پر اس تورات کے تمام کلمات کو روشن خط میں لکھ"

اور کتاب یوشع کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ:۔

"اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراۃ لکھی"

چنانچہ اسی باب کی بتیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے:۔

ودرانجا تورات را براں سنگہا نقل نمود کہ آں را پیش روئے بنی اسرائیل بہ تحریر آوردہ۔	"اس جگہ موسیٰ کی تورات کو ان پتھروں پر نقل کیا، تاکہ اس کو بنی اسرائیل کے سامنے تحریر میں لاتے"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:۔

ودرانجا براں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت،	"اس جگہ ان پتھروں پر موسیٰ کی تورات کے نسخہ کو جو بنی اسرائیل کی موجودگی میں لکھا گیا تھا، لکھا"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو قربان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اس کے لئے قربان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے بظاہر وہی بات ہے جو ہم نمبر ۴ میں بیان کرچکے ہیں۔

نویں دلیل پادری ٹورٹن کہتا ہے کہ:۔

"موسیٰؑ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا"

اس دلیل سے اس کا مقصود یہ ہے کہ جب اُس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰؑ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوتے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۰ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ:۔

"گزشتہ زمانہ میں لوگ لوہے یا پیتل یا ہڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا موم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے اُن تختیوں کے عوض درخت پیپرس کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر برگمس میں وصلی ایجاد کی گئی، اور آٹھویں صدی میں رُوئی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرھویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے"

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو ٹورٹن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

دسویں دلیل اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس عیب سے بلند و بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۴۶، آیت ۱۵ میں ہے کہ:۔

پس یہ لیاہ[1] کے وہ بیٹے ہیں جو اس کے پیٹ سے نہر سوریہ کے درمیان پیدا ہوئے اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہٰذا اس کے کل بیٹا بیٹی ملا کر ۳۳ نفوس تھے "

اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہے، صحیح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف اُن کے مشہور مفسر ہارسلے نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

"اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا[2] کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سارا بنت آشیر منجملہ ۱۶ کے ایک ہے "

اسی طرح کتاب استثناء کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے "

یہ بھی غلط ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد فارض[3] تک

---

[1] یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو اور انگریزی نسخوں میں اس طرح ہے "یہ سب یعقوب کے اُن بیٹوں کی اولاد ہیں، جو فدان ارام میں لیاہ سے پیدا ہوئے، اسی کے بطن سے اس کی بیٹی دینہ تھی، یہاں تک تو اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا (پیدائش $\frac{۴۶}{۱۵}$) ۱۲

[2] یعنی لیاہ کی اولاد بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں زلفہ (جو حضرت یعقوبؑ کی باندی تھیں) کی اولاد کا ذکر ہے جن کی تعداد ۱۶ بیان کی گئی ہے۔ یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک لڑکی سارا کو شمار کیا جائے، اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیاہ کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے ——— اس کے علاوہ خود توریت کے الفاظ یہ ہیں :- "اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۳۳ ہوا" اس میں تصریح ہے کہ بیٹیوں کو شامل کیا گیا ہے ۱۲

[3] فارض حضرت داؤدؑ کے نویں باپ (۱- تواریخ ۲: ۴ تا ۱۶) ۱۲ تقی

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ فارص ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸ میں موجود ہے[1]، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں[2] پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و لوقا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۳ شاہد نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی،

گنتی کے باب ۱ میں ہے کہ :-

"سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچسو پچاس تھا، پر لاوی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گنے گئے" (۱: ۴۵ تا ۴۷)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی، اور لاوی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جانیوالے مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملالیں تو مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے

[1] آیات ۱۵ تا ۱۹ و ۲۷ تا ۲۹، ت

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں ہیں جیسا کہ متی (۱: ۳) اور لوقا (۳: ۳۳) اور ۱۔ تواریخ (۲: ۴ تا ۱۵) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجوہ سے غلط ہے[1]،

پہلی وجہ بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت کُل ۷۰ تھی، (جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں اور سفرِ خروج باب ۱ آیت ۵ میں، اور سفرِ استثناء باب ۱۰ آیت ۲۲ میں موجود ہے)، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد[2] ۳ شاہد ۱ میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے مصر کے قیام کی مدت کُل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، ادھر سفرِ خروج باب ۱[3] میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد یعنی داخلۂ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت قیامِ مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کی جائے، اور یہ بات فرض کرلی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دوگنے ہو جاتے تھے تب بھی

---

[1] چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، وینر Wiener کہتا ہے کہ "شاید جب کاتبوں اور فقیہوں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہوگئی"۔ جی ٹی مینلی نے اس قول کو زیادہ قابلِ قبول قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ "یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں" (بائبل ہینڈ بک بذیل کتاب استثناء) لیکن مصنفؒ نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص پانچویں وجہ کے) پیشِ نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں پھر یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیامِ مصر کے دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھائی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس بڑھائی گئی، جبکہ کثرتِ تعداد ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی ۱۲ تقی

[2] کتاب ہذا، ص ۶۹۷ و ۶۹۸ ، [3] آیت ۱۶ ،

اس عرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہونچ سکتے، چہ جائے کہ چھبیس لاکھ بن جائیں، اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا عقلاً ممتنع ہونا نہایت واضح ہے،

دوسری وجہ یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد ۷۰ سے بڑھکر اتنی زیادہ ہو جائے اور ان کے مقابل قبطی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا ہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلاوطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

تیسری وجہ سفر خروج کا باب ۱۲[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور گائے، بکری بھی تھے[2]، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا کو پار کرلیا تھا[3]، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے[3]، اور کوچ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا[4]،

چوتھی وجہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو اُن کی اور اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کا کے اردگرد کا علاقہ، اسی طرح ایلیم میں[5] بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہوگئے؟

---

[1] آیت ۳۹　[2] ۵/۱۹　[3] ۱۳/۲۱　[4] ۱۴/۱

[5] ایلیم Elim بحر احمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پاکر پڑاؤ ڈالا تھا (خروج ۱۵/۲۷) ت

پانچویں وجہ

کتاب استثنا، باب ۷، آیت ۲۲ میں ہے کہ:۔

"اور خداوند تیرا خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع کرے گا، تو ایک ہی دم اُن کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگلی درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں"۔

ادھر یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً نوّے میل تھی جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۵ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۰ء شہر فالتہ میں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلّط اور قابض ابھی ہو گئے تھے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے[1]، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو تو وہ اتنے چھوٹے حصہ کو آباد کرنے کے لئے (جس کی پیمائش مذکور ہو چکی) کافی ہو سکتی ہے،

چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ[2] تاریخ میں اس تعداد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکورہ عبارت کے اندر "جنگلی درندے بڑھکر تجھ پر حملہ کرنے لگیں" کے بجائے جنگلی درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں (لئلا یکثر علیک دواب البرّ) اور انگریزی میں "Lest the beasts of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر تمام لوگوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی کثرت سے اُن کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو گا، مصنف فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے تو درندوں سے اُن کو کیسے خطرہ پیش آسکتا ہے؟ ۱۲ تقی

[2] صفحہ ۱۲ طبع بیروت ذکر مغالط المورخین، علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیتے ہیں جن میں سے ایک اور اہم یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایک صف کو دوسری صف کا علم نہ رہیگا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ اُن پر بخت نصر کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، اُن کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا،

ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰؑ اور اسرائیلؑ میں صرف تین پشت[1] کا فاصلہ ہے، یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اس تعداد پہونچ جائے،

لہذا اچھی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی مدت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہِ مصر اُن پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلّط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ کتاب کے پاس اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر اُن کتابوں کو تسلیم کرنا واجب واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رد کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

کتابِ یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتابِ یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آجتک

---

[1] سب نسخوں میں "ثلاثہ" کا لفظ ہے، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰؑ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے ۱۲ تقی

یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں چلتا، نہ تصنیف کا زمانہ[1] معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جرہارڈ اور ڈیوڈ بی ہیوٹ اور ڈبیرڈ کس اور ٹاملائن اور ڈاکٹر کری کی رائے یہ ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لائٹ فٹ کہتا ہے کہ یہ فینحاس[2] کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

دانئل کہتا ہے کہ یہ سموئیل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیاہ علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیاء کے درمیان تخمیناً ۸۵۰ سال کا فصل ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اٹکل پچو اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرائن اس کے پاس ایسے جمع ہوگئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۶۳ کے ساتھ سفر صموئیل ثانی کے باب ۵

---

[1] انسائیکلو پیڈیا میں ہے "اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات کا عینی شاہد ہے اور وہ شہر اڈیسّہ Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برطانیکا، ص ۱۵۴، ج ۱۳)

[2] فینحاس Phinehas حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر گنتی ۲۵/۷ و ۳۱/۶، زبور ۱۰۶/۳۰، یشوع ۲۲/۱۳، قضاۃ ۲۰/۲۸ میں آیا ہے ۱۲ تقی

آیت ۶، ۷، ۸ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[1]، اسی لئے تفسیر ہنری و اسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۳ مذکورہ کی شرح میں یہ کہا ہے کہ "اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوسِ داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے[2]"

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب ۱۰ کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات[3] ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں تراجم میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاصار اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

---

[1] اس لئے کہ سموئیل $\frac{۱۵}{۶۳}$ میں مذکور ہے کہ "یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں" اور کتاب سموئیل ۵: ۶ تا ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یبوسی یروشلیم میں بسے ہوئے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

[2] اس کے علاوہ اسی کتاب کے $\frac{۱۶}{۱۰}$ میں مذکور ہے کہ کنعانی "آج تک" جزر میں بسے ہوئے ہیں، اور ۱ سلاطین $\frac{۹}{۱۶}$ میں ہے کہ فرعون نے حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمانؑ سے پہلے لکھی گئی ہے، چنانچہ جی، ٹی، مینلی اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "$\frac{۱۵}{۶۳}$ کا ۲ سموئیل $\frac{۵}{۶-۹}$ اور $\frac{۱۶}{۱۰}$ کا ۱ سلاطین $\frac{۹}{۱۶}$ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رحبعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی جا چکی تھی" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۶) طمن

[3] ایک واقعہ ذکر کرکے لکھا ہے "کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟" اس کتاب کا نام یہاں تو آشر مذکور ہے، اور ۲ سموئیل $\frac{۱}{۱۸}$ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تقی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا، سوائے اس کے کہ سفر سموئیل ثانی، باب ۱ آیت ۱۸ سے[1] یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بناء پر غالب قیاس یہی ہے کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معلوم ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ[2] چند وجوہ سے باطل ہے،

پہلی اور دوسری وجہ پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

تیسری وجہ اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمعصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر پڑیں گی، عیسائی علماء محض تخمینہ اور اندازہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے ملحقات[3] میں سے ہے، یہ ...

---

[1] اس میں بھی کتاب یاشر کا حوالہ دے کر ایک مرثیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۲ تقی

[2] یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۲ ت

[3] یعنی اصل کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آیتیں کسی نبی نے بڑھا دیں ۱۲

قطعی غلط اور بلادلیل ہے، اس کے لیے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابل سماعت نہیں ہو سکتا، بلکہ پہلے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ یوشع کی تصنیف نہیں ہے،

چوتھی وجہ

اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے:-

"اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو ان کے گھرانوں کے مطابق میراث دی، اور ان کی سرحد یہ تھی، یعزیر اور جلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک عروعیر تک جو ربہ کے سامنے ہے"[1]

اور استثناء باب ۲ میں ہے کہ:

"خداوند نے مجھ سے کہا .... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا، اور نہ ان کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے"

پھر اسی باب میں ہے کہ:

"خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک"

غور کیجئے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے[1]؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یوشع اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو ان کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

---

[1] کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تقی

کتابُ القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے، کہ اس میں بڑا زبردست اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فینحاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی[1]، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاہؑ کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزراؑ کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فینحاس کے درمیان ۹۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اٹکل پچو محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سموئیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقے[2] سے اس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہوگئیں،

کتابِ راعوت کا حال

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب ہے اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ وہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزراءؑ کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام مسیحی کہتے ہیں کہ یہ سموئیلؑ کی تصنیف[3] ہے،

[1] کیونکہ فینحاس اور حزقیاہ میں سے کوئی نبی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعیاء علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین، ب ۱۸ و تواریخ ب ۳۲) ۱۲ ت

[2] ہماری کتب مقدسہ از میفلی، ص ۹۱،

[3] ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۴، ۱۲ ت

کتاب کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ:-

"بائبل کے مقدمہ میں جو ۱۸۱۹ء میں اسٹاربرگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتاب راعوت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے"

یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

کتاب نحمیا کا حال

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا کی تصنیف ہے، اتھانی شیش اور اپی فانیس[1] کریز اسٹم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی، اسی طرح باب ۱۲ کی ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہوسکتیں[2]، اور نہ آیات کا کوئی بہترین ربط اس مقام کے قصے پایا جاتا ہے،

نیز اس کتاب کی آیت ۲۲ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہوکر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم نے تو اس کو ساقط ہی کردیا ہے،

کتاب ایوب

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سننے کے لائق ہے، اس کی حالت تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت بہت بدتر ہے، اس میں بھی بعض

---

[1] St. Epiphanius (پ ۳۱۵ء م ۴۰۲ء) مشہور بشپ ہے، اور لسے بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تا حال پائی جاتی ہیں ۱۲ تقی

[2] کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو متکلم کا صیغہ تھا اسمیں نحمیا کیلئے غائب کا صیغہ ہے؛ اور نحمیا حاکم اور عزرا کاہن کے دنوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور ربؔ[۱] ثمانی ویزؔ جو علماء یہود میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکاؔئلس ولیکلرکؔ اور سٹلرؔ واستناکؔ وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوبؔ ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈورؔ نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقۂ پروٹسٹنٹ کا مقتدیٰ لوتھرؔ کہتا ہے کہ "یہ کتاب[۲] خالص افسانہ اور کہانی ہے"

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب بر بناء قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ یہ الیہوؔ[۳] کی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منسّا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دین کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

کتاب زبور

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اور

---

[۱] ربؔ اور ربی Ribbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۲

[۲] سب نسخوں میں یہ عبارت یہودی اور نہی، مگر جی ٹی مینلی لکھتا ہے "لوتھر کا خیال ہو کہ یہ حقیقی تاریخ ہے" (ہماری کتب مقدسہ ص ۲۰) یعنی بلکہ فرقۂ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک یہ کتاب درست ہو، یہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی

[۳] الیہو Elihu ابن براکیل بوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا مکالمہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہو (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱) اس کا ذکر ۱-سموئیل ۱: ۱ میں بھی ہے ۱۲ ت

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدماء مسیحیین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کریزاسٹم، اگسٹائن، انبروس اور یوتھی ملیس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، ہلیری، اتھانی شیس جیردم، یوسی بیس[1] وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے،

ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقابین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر تیس زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ لغایتہ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۷۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں، اور زبور نمبر ۸۸ ہیمان[2] کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ ایتھان[3] کی مصنفہ ہیں، اور زبور نمبر ۷۲ اور نمبر ۱۲۷ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جدوتھن[4] کی تصنیف ہیں، ۱۲ زبوریں اساف[5] کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۷۴، ۷۹ اس کی تصنیف

---

[1] Eusebius　فلسطین کا بشپ تھا ۲۶۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہے، ۳۴۰ء میں انتقال ہوا ۱۲

[2] ہیمان ازراخی　Heman the Ezrahite　اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا جیسا کہ ۱۔ سلاطین $\frac{4}{31}$ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ ت

[3] ایتان ازراخی، یہ بھی ہیمان کی طرح حکیم تھا (۱۔ سلاطین $\frac{4}{31}$) ۱۲

[4] اس کا نام اردو میں یدوتون　Jeduthun　مذکور ہے اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد کا مشہور مغنی تھا اس کا ذکر ۱۔ تواریخ $\frac{16}{38}$ و $\frac{25}{6}$ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۹ و ۶۲ و ۷۷ ان کی طرف منسوب ہے ۱۲

[5] اس کا نام اردو میں آصف　Asaph　(بن برکیاہ ہے)۔ تواریخ $\frac{6}{39}$ کی روایت ہے کہ انہیں

نہیں ہیں، اور اا زبوریں قورح کے تین بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتھ کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں[1] آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، آصف، ہیمان، جدوتہن، قورح کے تینوں بیٹے، داؤدؑ نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا اُن کے نزدیک داؤدؑ کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جملہ عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، آصف، ہیمان، اتھسان، جدوتہن، قورح کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤدؑ کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیاہ کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں

اسی طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک الہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

---

[1] ۴۲ تا ۴۹ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۷، ۱۲ تقی

تنبیہ زبور نمبر ۲۰، آیت نمبر ۲۰ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یوں ہے کہ "داؤد بن یسیٰ کی دعائیں تمام ہوئیں"۔ اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱۷ ہے، جس کی وجہ مقدمہ[1] میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کر دی گئی ہے[2]، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً اسقاط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیساکہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہرصورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

امثالِ سلیمان کتاب امثال سلیمانؑ کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح[3] باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جا سکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں سے پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایۃ ۲۹ حزقیاہ کے دوستوں نے جمع کئے تھے، جیساکہ باب نمبر ۲۵ کی آیت[4] نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدوین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

---

[1] صفحہ ۱۱ ج ۱　[2] عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۷۲ ہی میں موجود ہے ۱۲

[3] باب ۳۰ کا عنوان ہے "یاقہ کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں" اور باب ۳۱ کا عنوان ہے "لموئیل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ماں نے اسے سکھائیں" ۱۲

[4] عنوان "یہ بھی سلیمانؑ کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی" ۱۲ ت

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں مفسر آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموئیل کا تصنیف کردہ ہے لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں حضرات کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں[1] کی نبوت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاساً کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموئیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ :-

"ہولڈن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموئیل سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید اُن کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموئیل اور کتاب آجور الہامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں"

اس میں یہ کہنا کہ شاید اُن کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ اُن کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو اُن کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہو گا،

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۳، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

---

[1] پادری میتلی لکھتے ہیں "ہمیں آجور اور لموئیل کے بارے میں جنھوں نے اُن کی تدوین کی کچھ بھی معلوم نہیں" (ہماری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲ ت

"اس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ لموئیل سے مراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب ان کے زمانہ کے عرصۂ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی[له] زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعوے کی دلیل نہیں ہوسکتے"

نیز باب ۳۱ کی نسبت یوں کہتا ہے،

"یہ باب یقینی طور پر سلیمانؑ کی تصنیف نہیں ہوسکتا"

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

"یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی"

باب ۳۰ آیت ۱ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

"این ست کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او برائے ایثیئیل بلکہ برائے ایثیئیل واوکال بر زبان آورد"

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

"کلمات آکور پسر یاقہ یعنی وحی کہ آن مرد بہ ایثیئیل واوقال بیان کرد"

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس کو حذف کر دیا ہے اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

"ھٰذہ اقوال الجامع بن القای الرویا التی تکلم بھا الرجل الذی اللہ معہ واذا کان اللہ معہ ایّدہٗ"

له Chaldee کسدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اردو بائبل میں اسے "کسدی" زبان کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ:۔ "یہ جامع کے اقوال ہیں جو اقائی کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے"[1]

ملاحظہ کیجیے عربی تراجم[2] کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت ۱ میں یوں ہے کہ:۔

"لموئیل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی[3]"

ہمارے بیان کو سمجھ لینے .... کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاہ، اشعیاہ اور شاید عزرا نے بھی اس کو جمع کیا ہے،

کتاب واعظ جہاں تک کتاب واعظ کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور رب قمچی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیاء علیہ السلام کی

---

[1] یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب قسم کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس سے اختلاف بہر حال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

[2] ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ "کلام اجور بن متقیہ مسا، وحیٔ ہذا الرجل الی ایثیئیل الی ایثیئیل واکال" اس میں "متقیہ" کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور "مسا" کا لفظ ان سے زائد ہے ۱۲

[3] یہ عربی عبارت سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم لکھ چکے ہیں ۱۲ تقی

تصنیف کردہ ہے، تالمود[1] کے علماء کہتے ہیں کہ یہ حزقیاہ کی تصنیف ہے، کروٹیس کہتا ہے
کہ ایک شخص زروبابل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابی ہود ہے تصنیف کی
تھی، مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بابل کی قید سے
آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انتیوکس ایپی فینس[2] کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے
بابل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو الہامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر
ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

غزل الغزلات اس کی حالت تو بہت ہی ابتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت یہ
ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے یا ان کے کسی معاصر کی، ڈاکٹر کنی کاٹ اور بعض متاخرین کی رائے
یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ ان کی وفات سے عرصۂ دراز بعد لکھی گئی ہے، پادری تھیوڈور جو
پانچویں صدی میں گذرا ہے، وہ اس کتاب کی اور کتاب ایوب کی شدید مذمت کرتا ہے، سیمن اور لیکلرک اس
کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وِشٹن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا بجانا ہے، کتب مقدسہ
سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا
قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ کاسٹلیو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب
کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

کتاب دانی ایل تھیوڈوشن[3] کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک
کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

---

[1] تالمود Talmud یہودیوں کی مشہور کتاب ہے جس میں عہد نامہ قدیم سے مستنبط احکام و تواریخ ہیں ۱۲
[2] دیکھئے حاشیہ صفحہ ۳۲۶، [3] تھیوڈوشن Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی
عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا، (ہماری کتب مقدسہ)

باب ۱۳ و باب ۱۴ ابھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب[1] کرتا ہے،

کتاب آستر

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہے جو عزراؑ کے عہد سے سیمن کے زمانہ تک ہوئے ہیں،

فلو یہودی[2] کا قول یہ ہو کہ یہ یہویاکین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع[3] کا بیٹا تھا، اور بابل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا،

آگسٹائن کہتا ہے کہ یہ عزراء کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ مردکے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب ۲ مقصد ۲ شاہد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے،

کتاب یرمیاہ

اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہوسکتا، اسی طرح باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہوسکتی، پہلی تو اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں کہا گیا ہے:۔

"کلماتِ یرمیاہ تا بدیں جا اتمام پذیرفت"۔

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں:۔ "کلمات یرمیاہ تا بدینجا ہست"؛ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ "یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا"[4]

---

[1] چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۰ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲

[2] یہ یہودی علماء میں سے ہے (پ ۲۰ ق م م ۴۰ء) اور ریڈلس کا ہمعصر ہے (بائبل ہینڈ بک) ۱۲

[3] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہویاکین، یہویقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں، یہ بابل کی جلاوطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلاطین ۲۴/۸ و ۲۵/۲۷)

[4] مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ "یرمیاہ کی باتیں یہاں تک ہیں" چنانچہ باب ۵۲ کی پہلی آیت میں ہے "اسکی ماں کا نام حموطل تھا، جو لبناہی یرمیاہ کی بیٹی تھی"۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ خود حضرت ارمیاؑ کے نہیں ہوسکتے ۱۲ ت

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی[1] زبان میں ہے اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ مسیحی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ عزرا، یا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے۔"

ہورن جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ پر کہتا ہے کہ:۔

"یہ باب ارمیاہ کی وفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تھوڑا سا اس باب میں بھی موجود ہے۔"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:۔

"اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب ۱۰ کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کسدیوں کی زبان میں ہے۔"

پادری ونا کہتا ہے کہ:۔ "یہ آیت الحاقی ہے۔"

کتاب اشعیاء فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:۔

"مشہور فاضل جرمنی اشٹاہلن کہتا ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

[1] کسدستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اسی قوم کا تھا ۱۲

ابواب نمبر ۶۶ تک ان کی تصنیف نہیں ہیں "،

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب اُن کی تصنیف نہیں ہیں[1]،

اناجیل اربعہ کی اصلیت

انجیل متی لوقا مرقس

آپ کو عنقریب مقصد ۳، شاہد ۸ میں معلوم ہوگا کہ قدماء مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہوگئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی اُن کے پاس موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہوسکا صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں، کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہوسکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر ۶ میں آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

---

[1] یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ عہد قدیم کی کتابیں پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک ۳۸ ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسیفس تقریباً ۱۰۰ء میں لکھتا ہے "ہمارے پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں زمانۂ ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور الہامی تسلیم کی جاتی ہیں" (بحوالہ ہماری کتب مقدسہ از پادری مینلی ص ۷، ۴۸) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور اُن اڑتیس کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ "انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور نحمیاہ کو ملا کر ایک، روت اور قضاۃ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور نوحہ کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہوجاتی ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ انھیں ہدایت فرمائے،

بھی با وجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہوسکا، بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ "غالب یہی ہو کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا" مگر بغیر دلیل اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب التسلیم نہیں ہے، بلکہ قابلِ رد ہے"

انسائیکلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

یہ انجیل ۴۱ء میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو کلدانی اور سریانی کے درمیان تھی لکھی گئی، لیکن موجودہ صرف یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو آج نسخہ موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے"

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

"جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علمار متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے، اور بعض متقدمین کو انجیل لوقا باب ۲۲ کی بعض آیات میں شک تھا، اور بعض متقدمین اس انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ مارسیونی[1] کے نسخہ میں نہیں تھے"

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے صفحہ ۷۰ پر انجیل مرقس کی نسبت کہتا ہے:-

"اس انجیل میں ایک عبارت قابلِ تحقیق ہے، جو آیت ۹ سے آخری باب کے ختم تک پائی جاتی ہے، اور کریسباخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو عہد نامۂ قدیم کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا قائل ہے، ایک خالقِ خیر اور دوسرا خالقِ شر اور عہد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھیجی ہوئی ہیں، عہد جدید کے جن ابواب میں عہد قدیم کا تذکرہ ہو اُسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تحریف کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی مارسیون تھا، اس کی نسبت سے اسے مارسیونی کہتے ہیں، (ملخص از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳ بحوالہ لارڈنر وغیرہ) عربی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے
الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں "
اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔
اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری
عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خارج کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے
کو زیادہ پسند کرتے ہیں "
اور کریباخ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورٹن ان کے نزدیک
اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو اُن پر یقیناً حجت ہے،

انجیلِ یوحنا مستند نہیں اُس کے دلائل

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ
انجیلِ یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف
ہے، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اُس کی تردید کرتی

پہلی دلیل گذشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور اُن کے بعد تصنیف
طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے. جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں
کے اندر معلوم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد ۳ شاہد ۱۸ میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے
قطعی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت
ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جا سکتی، تاوقتیکہ اُس پر کوئی مضبوط
قوی دلیل نہ ہو،

دوسری دلیل اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ :۔
"یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے ؟

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے :۔ کہ " یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اس کی شہادت" (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں نعلم (ہم جانتے ہیں) کے الفاظ صیغہ متکلم کے ساتھ کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف سے اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

تیسری دلیل دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں ارینوس[1] جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ[2] کا شاگرد بھی موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قطعی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سُنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ ارینوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنتا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم الشان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنتا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سُنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

---

[1] ارینوس Irenaeus لیون کا مشہور بشپ اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم جو ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور تقریباً ۲۰۲ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ آج تک پایا جاتا ہے، (برٹانیکا) ۱۲

[2] پولیکارپ Polycarp سمرنہ کا مشہور بشپ جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے تقریباً ۶۹ء میں پیدا ہوا، اور ۱۵۵ء میں وفات پائی، بدعتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی معروف ہیں ۱۲ ت

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی بیں اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آرینوس کا قول زبانی روایتوں کی نسبت یوں نقل کرتا ہے :-

"میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سُنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ صرف کاغذوں پر، اور عرصہ دراز سے میری پرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا رہتا ہوں"

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہو گی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں متقدمین اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ۱۲ کے جواب میں معلوم ہوگا کہ سلسس جو بُت پرست مشرک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تحریف کر ڈالی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تحریف کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیز[1] کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے :

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت دی اور عبرانی پیغمبروں سے ہمکلام ہوا معاذ اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو مانتا ہے، مگر انہیں الحاق و تحریف کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیز اس فرقہ کا بانی ہے (خلاصہ ماخوذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈنر) ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیحؑ نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب منسوب کر دیا۔ تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں تاکہ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

چوتھی دلیل کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے:۔

"اسٹاڈلن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلاشک وشبہ پوری انجیل یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے"

ملاحظہ کیجئے! اسٹاڈلن کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح برملا کہہ رہا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل محقق برطشینڈر کہتا ہے کہ:۔

"یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے"

چھٹی دلیل مشہور محقق کروڈیٹس کہتا ہے کہ:۔

"اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، افسسؔ[2] کے گرجے نے اکیسواں باب، یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے"

---

[1] ٹاسٹس کا یہ قول مصنف نے ازالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈنر کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تقی

[2] غالباً افسس Ephesus مراد ہے ۱۲ تقی

ساتویں دلیل دوسری صدی عیسوی کے فرقہ وجین اس انجیل کے منکر تھے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے،

آٹھویں دلیل باب ۲ مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب ۸ کی ابتدائی ۱۱ آیات کا انکار جمہور علماء نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیات سریانی ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو اُن کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہٰذا سچی بات وہی ہے جو فاضل اسٹادلن اور برطشنیڈر کہتے ہیں،

نویں دلیل اناجیلِ اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور واہیات بلاسند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ سنہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب ۲ میں کہتا ہے کہ:-

"ہم کو مؤرخین کنیسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین نے واہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آنیوالے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کرلیا، اور یہ سچی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت مدید گزر جانے کی وجہ سے اب اُن کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہوگیا"

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

"پہلی انجیل سنہ ۳۷ء یا سنہ ۳۸ء یا ۴۱ء یا ۴۳ء یا سنہ ۴۸ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء

میں تالیف کی گئی، دوسری انجیل ۵۶ء اور اس کے بعد ۶۵ء تک کسی وقت میں اور غالب یہ ہے کہ ۶۰ء یا ۶۳ء میں تالیف ہوئی، تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں تالیف کی گئی، چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں تالیف ہوئی"

خطوط و مشاہدات

اور رسالہ عبرانیہ اور پطرس کا دوسرا رسالہ، اور یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یعقوب کا رسالہ، یہودا کا رسالہ، مشاہداتِ یوحنا، اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۱ (کے بعض جملوں) کی نسبت حواریین کی جانب بلا دلیل ہے، اور یہ ۳۶۳ء تک مشکوک رہے، اور بعض مذکورہ جملے مردود، اور آج تک جمہور محققین کے نزدیک غلط ہیں، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہو جائے گا، یہ جملے سریانی ترجمہ میں قطعاً موجود نہیں ہیں، نیز عرب کے تمام گرجوں نے پطرس کے دوسرے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور یہودا کے رسالہ اور مشاہداتِ یوحنا کو رَد کیا ہے، اسی طرح ان کو سریانی گرجے ابتداء سے آج تک رَد کرتے آئے ہیں جیسا کہ عنقریب آئندہ اقوال میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ میں کہتا ہے:-

"سریانی ترجمہ میں پطرس کا دوسرا رسالہ، یہودا کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، اور مشاہداتِ یوحنا، انجیل یوحنا کے باب ۸ آیت ۲ لغایۃ ۱۱، اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۱ باب ۵ آیت ۷ بھی موجود نہیں ہیں"

پھر سریانی ترجمہ کے مترجم نے ان چیزوں کو اس لئے حذف کیا کہ وہ اس کے نزدیک ثابت اور معتبر نہ تھیں، چنانچہ وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ:-

"فرقۂ پروٹسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجرس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کو جھوٹی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کردیا:۔

رسالہ عبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہوداکا رسالہ، مشاہداتِ یوحنا"

ڈاکٹر بلیس فرقۂ پروٹسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ:۔

"تمام کتابیں یوسی بیوس کے عہد تک واجب التسلیم نہیں ہیں"

اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ:۔

"یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس کے رسالہ نمبر۲، یوحنا کے رسالہ نمبر۲ و ۳ اور یہوداکے رسالہ اور کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں"

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"سرل اور اسی طرح اور شلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب المشاہدات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا جو اس نے لکھی تھی"

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے:۔

"مشاہداتِ یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اس پر بارہی بریوس نے یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جسو نے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے رسالہ نمبر۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر۲ و ۳ اور رسالہ یہودا اور مشاہداتِ یوحنا کو چھوڑ دیا ہے، یہی رائے دوسرے سریانیوں کی بھی ہے"

کیتھولک ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۴۴ء جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

"روزؔ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹ محققین، کتاب المشاہدات کو واجب التسلیم نہیں مانتے، اور پروفیسر ایوالڈ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب المشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہوسکتیں "

یوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۷ باب ۲۵ میں کہتا ہے :-

"ڈیونیسیش کہتا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب المشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کردیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہوسکتا ہے، نہ کوئی نیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک بددین اور ملحد شخص سرنتھسن نے کی ہے، مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہوسکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہوسکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے، شہر افسوس میں دو قبریں موجود ہیں: جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں نامانوس اسلوب استعمال کئے گئے ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالہ عامہ میں، بلکہ اپنے کو متکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تمہید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باب ۱ میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ[۱] لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔"

اور چوتھی آیت میں ہے کہ "یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام" آیت نمبر ۹ میں ہے "میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں۔"

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۸ میں لکھتا ہے کہ "میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا" ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے[۲]۔"

---

[۱] یہ کتاب مکاشفہ باب اول آیت ۱ کی عبارت ہے ۱۲ تقی

[۲] یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خطوں میں ہے مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تقی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں، کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اظہار اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہو تاکہ اپنا تعارف کرائیں، کیونکہ اگر تعارف مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو مشخص اور متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ "یوحنا بن زبدی" یا "یعقوب کا بھائی" یا "یوحنا اپنے رب کا محبوب مرید" وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت "تمہارا بھائی" یا "تمہارا شریک غم" اور "شریک صبر" ذکر کرتا ہے، ہم یہ بات مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے اس کو واضح کریں "

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب ۳ باب ۳ میں تصریح کی ہے:۔

"پطرس کا رسالہ ۱ سچا ہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتبِ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا، مگر پولس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے رسالہ عبرانیہ کو خارج کر دیا ہے"

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ:۔

"اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور پطرس کا رسالہ ۲ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ انجیل والوں کے لکھے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو انہی ناموں سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمال پولس اور باشتر اور مشاہداتِ پطرس اور رسالہ برنبا اور وہ کتاب جس کا نام انستیتوشن حوارین ہے یہ سب جعلی اور فرضی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہداتِ یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار کرنا چاہئے"

نیز اپنی تاریخ کی کتاب ۶ باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے:۔

"وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ کلیمنٹ[۱] نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے"

ارنیس بشپ لیس جو ۱۷۸ء میں گذرا ہے، اور ہپ پولیٹس جو ۲۲۰ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری نوتیس جو ۲۵۱ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین[۲]، کارتھیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۰ء کہتا ہے کہ یہ برنباس کا رسالہ ہے، روم کے پادری کیس متوفی ۲۱۲ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرن، کارتھیج کا لاٹھ پادری متوفی ۲۴۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا؛ اور سُریانی[۳] گرجا آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکالیجر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا،

یوسی بیس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۳ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور فرضی ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

---

[۱] CLEMENT OF ROME ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء ۱۲

[۲] Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے موسوم کیا اور اسے عہد عتیق کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر رکھا (بائبل ہینڈ بک)،

[۳] تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہوداکے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گرجوں میں
اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے "

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں کہا گیا ہے کہ:۔

"گروٹیس کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہوداکا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے دور سلطنت میں اورشلیم کا پندرھواں پادری تھا "

دریوسی بیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر۶ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"آریجن نے انجیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پولس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا، اور اگر کسی گرجے کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں "

آریجن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پولس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعلی اور فرضی ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کردی گئی ہے، اور شاید دو چار سطروں کی مقدار ان رسالوں میں بھی پولس کے کلام کی موجود ہوگی، ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ فاسٹس کا یہ قول کہ:۔

"اس عہد جدید کو نہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک مجہول نام شخص نے تصنیف کرکے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب کردیا ہے "

بالکل سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اوّل[1] میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات ۳۶۳ء تک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

---

[1] کتاب ہذا، ص ۲۰۱ ج ۱

اور جن کو نائس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا
پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶۴ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب مشاہدات
اس مجلس میں بھی مردود و مشکوک ہی رہی، جو کارتھیج کی مجلس منعقدہ ۳۹۷ء میں تسلیم کرلی گئی
ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کرلینا حجت نہیں ہو سکتا، اوّل تو اس لئے کہ ہر
مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر
کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو، اور باب کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارتھیج کی
مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب بارورخ اور کتاب پند کلیسا
کتاب المقابئین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی
نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا
ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا، پھر
تعجب ہے کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت
تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق اُن کے فیصلہ کو رَد کر دیتا ہے، خصوصاً
کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا،

کتاب آستیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح
. . . . مفید نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیروم
کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقابئین
کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب پند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان
کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

تو تسلیم کرلیں جن کے اصل نسخے جیرومؔ کو دستیاب ہوتے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متیؔ کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی،

دوسرے اس لئے کہ ہورنؔ کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متقدمین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور واہیات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہونچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کرلیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین و انتظامات ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے ؛

کتب مقدّسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے

۱۔ یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آرہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرّف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیدیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲۔ کتاب دانیالؔ ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آریجنؔ نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کردیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشنؔ[1]

---

[1] تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا جس نے دوسری صدی عیسوی میں مروجہ عبرانی متن سے ایک ترجمہ تیار کیا تھا، یہ ترجمہ ہفتادی ترجمہ کے بعد پہلا ترجمہ ہے ۱۲ ت

کا ترجمہ قبول کر لیا،

۳۔ ارس تیس کا رسالہ سولہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آرہا تھا جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا

۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پروٹسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شمار کی جاتی تھی پھر وہی سولہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی قرار دیدی گئی،

۶۔ عزرا کی کتاب[۳] کو گریک گرجا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتبِ مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس[۱] میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کرلیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہدِ عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلے میں اُن پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تم تفصیل سے آپ کو باب ۲ . . . . کے مغالطہ ۲ کے جواب میں معلوم ہو جائیگی

---

[۱] کوڈکس CODEX انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے یہ نسخہ کوڈکس اسکندریانوس کہلاتا ہے اور برطانیہ کے عجائب گھر میں موجود ہے، (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۴ و ۳۵)،

دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

اختلافات[1]

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

پہلا اختلاف جو شخص کتاب حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف وصریح اختلاف[2] پائے گا،

دوسرا اختلاف کتاب یوشع کے باب ۱۳ اور کتاب استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جاد کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتاب یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے[3]،

---

[1] اس قسم میں مصنفؒ نے ۱۲۴ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں،

[2] ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہے اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

[3] دیکھئے صفحہ ۳۴۳ ج ۱ مع حاشیہ،

تیسرا اختلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۷ و ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے اقرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ میں معلوم ہوگا[1]،

چوتھا اختلاف اور آدم کلارک کا اعتراف کتاب تواریخ اول کے باب ۸ کی آیات ۲۹ تا ۳۸ میں اور باب ۹ کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان ناموں کے بیان میں اختلاف[2] پایا جاتا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:۔

"علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزراء کو دو کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کرسکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا"

پانچواں اختلاف سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:۔

"یوآب[3] نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے"

---

[1] اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے،

[2] اختلاف کے لئے یہ تفصیل ملاحظہ فرمایئے، متضاد الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے:۔ ۸ب اور جدور اور اخیو اور زکر (۳۱) اور مقلوت سے سماہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یہونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور تاریع (۳۶) ۔۔۔۔ ۹ب اور جدور اور اخیو اور زکریاہ (۳۷) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن (۳۹) میکاہ کے بیٹے فیتون اور ملک اور تحریع (۴۲)۔

۸ب اور آخز سے یہوعدہ پیدا ہوا (۳۶) نبعہ کا بیٹا رافعہ (۳۷)

۹ب اور آخز سے یعیرہ پیدا ہوا (۴۲) نبعہ کا بیٹا رفایاہ (۴۳)

[3] یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا،

اس کے خلاف کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ:-

"تو آب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۱ لاکھ شمشیرزن مرد، اور یہوداکے چار لاکھ ستر ہزار شمشیرزن مرد تھے"

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہودا کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہودا کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تفاوت پایا جاتا ہے،

چھٹا اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ:-

"سو جاد[1] نے داؤد کے پاس جاکر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا تیرے[2] ملک میں سات برس قحط رہے؟"

اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ:-

"یا تو قحط کے تین برس"

دیکھئے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے، اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

۲۲ برس یا ۴۲ برس؟ ساتواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

"اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:-

"اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

---

[1] جاد علیہ السلام بقول توراۃ نبی تھے جنھیں غیب بین کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲

[2] یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط، یا دشمنوں کا تسلط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو اختیار کرلو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک سات سال قحط میں مبتلا رہے یا کچھ اور؟ ۱۲

دیکھئے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے، چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس[1] سال تھی، اور اخزیاہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہوگیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:۔

"یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:۔

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے، چنانچہ اس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۱ میں معلوم ہو جائے گا،

نواں اختلاف اور عیسائی علماء کا اعترافِ تحریف

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت ۸ اور کتاب[2] ملوک من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت بڑا اختلاف[3] ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

---

[1] ۲۱/۲ میں ہے "وہ بتیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی"

[2] سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے "کتاب تواریخ اول باب ۱۱ آیت ۱۱" کیونکہ یہ عبارت اسی جگہ ہے

[3] سموئیل ۲۳/۸ میں یہ ہے "اور داؤد کے بہادروں کے نام یہ ہیں، یعنی تحکمونی یوشیب بشیبت جو سپہ سالاروں کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس نے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے" اور تواریخ ۱۱/۱۱ اس طرح ہے:

"اور داؤد کے سورماؤں کا شمار یہ ہے یسوبعام بن حکمونی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پر اپنا بھالا چلایا اور ان کو ایک

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"ڈاکٹر کنی کاٹ کا بیان ہے کہ اس آیت میں تین زبردست تحریفیں کی گئی ہیں"

پس اس ایک ہی آیت میں تین اغلاط موجود ہیں،

دسواں اختلاف

سفر سموئیل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ "داؤد علیہ السلام فلستیوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا تابوت[1] لے کر آئے" اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۱۳ اور ۱۴ میں[2] یہ تصریح موجود ہے کہ داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لائے تھے"، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں، لہٰذا ایک ضرور اُن میں سے غلط ہے،

گیارہواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۷ کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا یعنی ایک نر دوسرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں[3]،

مگر باب ۷ آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو[4]" غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

---

[1] باب ۵ میں فلسطیوں سے جہاد کا تذکرہ ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے،

[2] کتاب سموئیل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بعینہٖ وہی واقعہ باب ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۴ میں جہاد کا ذکر ہے،

[3] دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا (۷: ۹)

[4] کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور انکی مادہ اور انمیں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور انکی مادہ اپنے ساتھ

بارہواں اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا[1] اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیر خوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، اور نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندی بنا لیا تھا[2]، اس کے برعکس کتاب قضاۃ کے باب ۶ سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے[3]، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اُن کے سامنے عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں ہے۔

اب غور فرمائیے کہ جب باشندگان مدین عہد موسوی میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک اُن کو عاجز اور مغلوب رکھا۔

کیا مصریوں کے سب چوپائے مر گئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

کتاب خروج باب ۹ میں ہے[4]:-

"اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا، اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب[5] میں اس کے

---

[1] "اور جیسا خداوند نے موسیٰ ۔ ۔ ۔ ۔ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا" (۳۱ : ۷)

[2] "ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو" (۳۱ : ۱۷)

[3] "اور مدیانیوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا" (۶ : ۲)؛ سو اسرائیلی مدیانیوں کے سبب سے نہایت خستہ حال ہو گئے (۶ : ۶)

[4] آیت ۶؛

[5] آیت ۲۰ و ۲۱،

خلاف یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"سو فرعون کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں نے اپنے نوکروں اور چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا"

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کب ٹھہری؟ چودھواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:۔
ساتویں مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو کشتی آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹھہر گئی[1]، اور پانی دسویں مہینہ تک گھٹتا رہا، اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں"

ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جا رہا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آرمینیہ کے پہاڑوں پر کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶

سفر سموئیل ثانی کے باب ۸ اور کتاب تواریخ اول کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم کلارک کی تفسیر جلد ۲ (بہ ذیل عبارت سموئیل) سے نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہمارے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں:۔
"اور ساتویں مہینہ کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی" (۸ : ۴)۔

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۸	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اوّل باب ۱۸
۱	داؤد نے جزیہ[1] کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے چھین لی،	۱	جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا،
۳	ھددعزر	۳	ھدرعزر
۴	ایک ہزار سات سو سوار	۴	ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار
۸	اور داؤد بادشاہ بطاہ اور بیروتی سے جو ہددعزر کے شہر تھے بہت سا پیتل لے آیا،	۸	اور ہدرعزر کے شہروں طبخت اور کون سے داؤد بہت سا پیتل لایا،
۱۰	یورام	۱۰	ھدورام
۱۲	ارامیوں	۱۱	ادوم
۱۳	ارامیوں	۱۲	ادومیوں
۱۷	ابی یاتر کا بیٹا اخیملک کاہن تھے، اور شرایاہ[2] منشی تھا،	۱۷	اور ابیملک بن ابیاتر کاہن تھے اور شوشا منشی تھا،

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں،

اختلاف ۲۷ تا ۳۲

کتاب سموئیل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب تواریخ اوّل کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے عیسائیوں کے مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے:۔

[1] اظہار الحق کے سب نسخوں میں "جزیہ" کا لفظ ہے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں "دارالحکومت" کا لفظ مذکور ہے ۱۲

[2] اظہار الحق میں منقول الفاظ یہ ہیں "اخیملک سرایا الکتاب" جس کا مطلب ہے کہ اخیملک اور شرایاہ دونوں منشی تھے، مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کیے ۱۲

آیت نمبر	الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰	آیت نمبر	الفاظ کتاب تواریخ اول باب ۱۹
۱۶	اور ہدرعزر کی فوج کا سپہ سالار سوبک	۱۶	اور ہدرعزر کا سپہ سالار سوفک
۱۷	حلام میں آیا	۱۷	ان کے قریب پہنچا
۱۸	سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے	۱۸	سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کو مارا،
۱۸	اور اُن کی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا	۱۸	اور لشکر کے سردار سوفک کو قتل کیا

ان دونوں ابواب میں چھ اختلافات موجود ہیں،

۴۰ ہزار یا ۴ ہزار؟ اختلاف نمبر ۳۳

کتاب سلاطین اول باب ۴ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

"اور سلیمان کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے۔"

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے"

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب تواریخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کر لیا[1]،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلاطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شروح کا پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:-

"بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

---

[1] ہمارے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ۴ ہزار ہی کا لفظ ہے، "وکان لسلیمان اربعة آلاف مذود" انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے ۱۲

اعتراف کرلیں۔"

لٹو، بیل یا ککڑیاں؟
اختلاف نمبر ۳۴

کتاب سلاطین اول کے باب ۷، آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف[1] موجود ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے:۔

"بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو تسلیم کرلیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بقریم بقعیم کی جگہ استعمال ہوگیا ہو۔"

حالانکہ "بقریم" کے معنی بیل کے ہیں، اور "بقیم" کے معنی لٹو ہیں، بہرحال اس مفسر نے کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کرلیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،

"یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے فرق پیدا ہوگیا۔"

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا
اختلاف نمبر ۳۵

کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۶ آیت ۲ میں یوں ہے کہ:۔

"اور جب وہ (یعنی آخز) سلطنت کرنے لگا تو بیس[2] برس کا تھا، اور اس نے ۱۶ برس یروشلم میں بادشاہی کی۔"

---

[1] ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے ایک حوض کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے "اور اس کے کنارے کے نیچے گرداگرد دسوں ہاتھ تک لٹو تھے جو اسے یعنی بڑے حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو دو قطاروں میں تھے، اور جب وہ ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے" (۷ : ۲۴) اور کتاب تواریخ میں ہے "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد دس ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں، یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اسی کے ساتھ ڈھالے گئے تھے" (۴ : ۳) یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے ککڑیوں کا تذکرہ ہے "دشبہ قثا، تحتہ مستدیرا" ملاحظہ فرمایئے کہاں لٹو، کہاں بیل اور کہاں ککڑیاں؟ تقی

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاہ کے حال میں یوں لکھا ہے:۔

"جب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا"

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا[1] جو عادت کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے، ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب[16] کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:۔

"غالب یہ ہے کہ بجائے تیس کے بیس لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب[18] آیت ۲ ملاحظہ کیجئے"

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶

اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:۔

"آخز بیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یروشلم میں سلطنت کی"

اور باب ۲۹ میں ہے:۔

"حزقیاہ پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہے

اختلاف نمبر ۳۷، تحریف کا مشورہ

سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اوّل کے باب ۲۰ آیت ۳ کے

[1] کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخز چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تھا اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو تفریق کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں کہا ہے :۔

"کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح بنا دیا جائے۔"

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے[1]، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح بنا ڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے،

بعشا کا یہوداہ پر حملہ اڑتیسواں اختلاف

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۵ آیت ۳۳ میں ہے :۔

"شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں سارے اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس سلطنت کی"

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ :۔

"آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھ آیا"

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

---

[1] چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں ان سب میں دونوں جگہوں کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں "اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پزاوہ میں سے چلوایا الخ" بالکل یہی مفہوم کتاب تواریخ میں بھی ہے، صرف آخری جملہ (خط کشیدہ) اس میں موجود نہیں۔

عبارت کے بموجب بعشا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہے[1]، اور آسا کی سلطنت کے چھتیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گذر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا یہوداہ پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے:- "ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے"

آدم کلارک جو ایک بڑے پایہ کا مسیحی عالم ہے، کہتا ہے کہ:-

"یہ سال، یعنی چھتیسواں سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا سال ہے، جو یربعام[2] کے عہد میں ہوئی تھی"

بہرحال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۲۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ "تقسیم بادشاہت" کے بجائے "آسا کی بادشاہت" لکھا گیا۔

اکتالیسواں اختلاف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:-

"اور آسا کی سلطنت کے پینتیسویں سال تک کوئی جنگ نہ ہوئی"

یہ بھی سلاطین اوّل باب ۱۵ آیت ۳۲ کے مخالف ہے جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپکو معلوم ہو چکا ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف

سلاطین اوّل کے باب ۵ آیت ۱۶ میں نگرانوں[3] کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

---

[1] کیونکہ اس نے ۲۴ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد وہ بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶ سال ہوئے، اور سلاطین اوّل ہی میں ہے کہ "بعشا اپنے باپ دادا کے ساتھ سوگیا" (۱۶/۶) اور "شاہ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال سے بعشا کا بیٹا ایلہ، ترضہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا" (۱۶/۸)

[2] تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۵۳ ج ۱، [3] "سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے" اور تواریخ میں ہے "تین ہزار چھ سو آدمی اُن کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے" ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بت یا تین ہزار مٹکے اختلاف نمبر ۴۱

سلاطین اول کے باب ۷، آیت ۲۶ میں ہے :۔

"دو ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا"

اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ :۔

"تین ہزار مشکوں کی گنجائش رکھتا تھا"[1]

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ :۔

"دو ہزار بت دراں گنجند"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ :۔

"دو ہزار خم آب می گرفت"

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ :

"سہ ہزار بت دراں گنجید"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ "سہ ہزار خم آب گرفتہ نگاہ میداشت"

ان دونوں عبارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قید سے رہا ہونیوالوں کی تعداد؟ اختلاف ۴۲

جو شخص کتاب عزرا کے باب ۲ کا مقابلہ کتاب نحمیا کے باب ۷ سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

[1] یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی" (۱۔ سلاطین ۷/۲۶) "اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی" (۲۔ تواریخ ۴/۵)۔

سے قطع نظر بھی کرلیں، تب بھی ایک دوسری غلطی[1] دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں سے یروشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ افراد تھی، لیکن اگر ہم جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں، بلکہ پہلی میں حاصل جمع انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نواسی ہوتی ہے،

اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مؤرخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسیفس[2] اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب ۱ میں کہتا ہے:-

"جو لوگ بابل سے یروشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو باسٹھ افراد تھا"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

---

[1] اس مقام پر دونوں بابوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے بیس اختلافات موجود ہیں، جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانیوالوں کی مردم شماری کی گئی ہے:-

آیت نمبر	الفاظ کتاب عزرا باب ۲	آیت نمبر	الفاظ کتاب نحمیاہ باب ۷
۶	بنی پخت ..... دو ہزار آٹھ سو بارہ	۱۱	بنی پخموآب .... دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ
۸	بنی زتو، نو سو پینتالیس	۱۳	بنی زتو آٹھ سو پینتالیس
۱۲	بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس	۱۷	بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس
۱۵	بنی عدین، چار سو چوّن	۲۰	بنی عدین، چھ سو پچپن
۱۹	بنی حاشوم، دو سو تئیس	۲۲	بنی حشوم، تین سو اٹھائیس
۲۸	بیت ایل اور عی کے لوگ، دو سو تئیس	۳۲	بیت ایل اور عی کے لوگ، ایک سو تئیس

[2] یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ لکھی ہے ۱۲

"اس باب میں اور کتاب نحمیا کے باب ۷ میں کاتبوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تالیف کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں[1] کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کردی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہوگیا"۔

اب آپ حضرات غور فرمائیں اُن کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیز آن واحد میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ بیچارے جب عاجز ہوگئے تو انھوں نے ان بیچارے کاتبوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحبان دوبارہ میں غور کریں گے تو اغلاط اور اختلافات کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے؟

ابیاہ کی ماں کون تھی؟ اختلاف ۴۳

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۲ میں شاہ ابیاہ کی ماں کے بارے میں ہے کہ:۔

"اس کی ماں کا نام میکایاہ تھا جو اوری ایل جبعی کی بیٹی تھی"۔

اور باب[2] ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں معکہ ابی سلوم کی لڑکی تھی، اس سے

---

[1] اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تقریباً بیس اختلافات موجود ہیں، غور فرمایئے کہ بہت سے حصہ کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

[2] نیز ۱۔ سلاطین ۱۵: ۲ سے، اس میں ہو کہ "اس کی ماں کا نام معکہ تھا جو ابی سلوم کی بیٹی تھی ۱۲ ت

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۱۴ آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام تمر تھا،[1]

اختلاف ۴۴

کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب یروشلیم کے بادشاہ کو قتل کر چکے تو اس کے ملک پر قابض ہو گئے اور اسی کتاب کے باب ۱۵ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یروشلیم پر نہیں ہوا[2]

اللہ یا شیطان؟ اختلاف ۴۵

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱ میں یوں ہے کہ:۔

"اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر اُبھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گن"

اور تواریخ اوّل کے باب ۲۱ آیت ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان[3] تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

اختلاف ۴۶ تا ۵۱

جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ جو انجیل متی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا:۔

---

[1] "اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام تمر تھا"

[2] "اور یبوسیوں کو جو یروشلیم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال نہ سکے، سو یبوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن تک یروشلیم میں بسے ہوئے ہیں"

[3] "اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے"

مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہالی[۱]،

دوسرا اختلاف | متی[۲] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا[۳] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء واجداد داؤد علیہ السلام سے ... بابل کی جلاوطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤدؑ اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص[۴]،

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شالتئیل یکنیاہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے[۵]،

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زرُبابل کے بیٹے کا نام ابیہود ہے، اور لوقا سے

---

[۱] یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنھیں انجیل میں حضرت مریمؑ کا شوہر کہا گیا ہے "اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱:۱۶)، "یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳:۲۳) عربی ترجموں میں "عیلی" کے بجائے "ھالی" ہے،

[۲] متی ۱:۶ [۳] لوقا ۳:۳۱ ،

[۴] چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معروف اشخاص ہیں،

[۵] متی ۱:۱۲ ، لوقا ۳:۲۷ ،

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا[1]، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زروبابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اول کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابی ہود کا، لہذا سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں[2]،

مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام سے کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف	متی کے بیان کے مطابق داؤد علیہ السلام تک مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۴۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال، اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے ایکھارن[3]، کیسر، ہیس اور ڈیوٹ اور دینز اور فرش وغیرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

---

[1] متی $\frac{1}{13}$ لوقا $\frac{3}{27}$

[2] دیکھئے صفحہ ۴۸۹ جلد ہذا، غلطی نمبر ۸۴،

[3] ایکھارن Eichhorn جرمنی کا مشہور پروٹسٹنٹ عالم ۱۲ ت

تھوم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجیہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت عذر مسٹر ہارمرسی [1] کا جلد ۵ صفحہ ۴۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ:-

"نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور غلطاں و پیچاں ہیں، لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد یہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمر بستہ ہوگئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جائے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا۔"

بہرحال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پراگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطی سرزد ہوئیں، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد ۱ شاہد ۱۶ میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کا ہنو

[1] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۹۳ ،

اور روساکے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف نجار[1] کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے؟

اور جب تین معتبر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر سکتے ہیں، اور ان کو غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحب الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحبِ الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف نجار کے نسب کے سلسلہ میں مل گئے ہوں گے، اور چونکہ صحیح اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہٰذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک ورق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے ورق کو پسند کر لیا،

مفسر مذکور کی یہ توقع کہ "زمانہ ضرور ایسا کرے گا" ایسا خواب ہے کہ انشاء اللہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے انھوں نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی وار میں باطل قرار دیدیا،

[1] یوسف نجار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منگیتر تھے، اور شہر ناصرہ میں بڑھئی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملتِ عیسوی کا مقتدائے اعظم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کر دیا کہ وہ مکار و غدار ہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بہ دن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجہ میں اصلاح کے بامِ عروج پر پہنچ گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قصہ کہانیوں، اور واہیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیدیا، اب کسی دوسرے دَور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف کی توجیہہ، اور اس کا جواب

آجکل جو مشہور توجیہہ چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہو متی نے یوسف کا نسب اور لوقا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کر دی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کر لیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے:

اوّل تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہو گا، یوسف نجار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہو سکتا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیح مسیح نہیں ہو سکتے[1]، اس لئے فرقۂ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہہ کو رَد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

[1] کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جا رہی تھیں اُن کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۱۲

"جو شخص مسیح کے نسب سے سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے"

دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تواریخ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں، اور ناتن کی اولاد میں سے تھیں، اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کلارک وغیرہ جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کالوین بھی اس کا رد کر رہا ہو، یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مضبوط دلیل سے انھیں ثابت کیا جاتے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح ہے کہ مریمؑ کے والدین کا نام یہویاقیم اور حنا ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معاصر عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے، اور اس کا مؤلف قرن اُولیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگسٹائن کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

"مریم علیہا السلام لاوی کی قوم سے تھیں"

یہ چیز اُن کے ناتن کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی میں ہے:-

"اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی" (گنتی ۳۶/۸،۹)

اور انجیل لوقا میں ہے:۔

"زکریا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھی"

اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت زکریاءؑ کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ بھی ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریمؑ کے مزعومہ شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارونؑ کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں اُن کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے، اور غالباً یہ اہل تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جاسکے، اور یہودی لوگ اُن کے مسیح موعودؑ ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کرسکیں کہ یہ تو ہارونؑ کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعودؑ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے،

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامے گھڑ لئے، اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہوسکیں، اس لئے ایک گھڑنے والا دوسرے کی جعلسازی سے واقف نہ ہوسکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہوگیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی ہوتیں تو یہ امر متقدمین سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا،

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکیک توجیہات نہ کرتے، جن کو متأخرین نے رد کیا، اور اُن پر لعنت ملامت کی ہے:-

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

"یعقوب[1] اکیفنی تون یوسف"

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں :- "دیوس یوسف توہالی"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھ رہے ہیں،

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مریمؑ ہالی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ واقعی یہودیوں کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں داخل کرلیا جاتا تھا اور اسے بیٹے کی جگہ لکھا جاتا تھا، مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہوسکی ہے، اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور کمزور و باطل استنباط ہمارے خلاف حجت نہیں ہوسکتا،

ہم بھی کسی شخص کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں میں سے ہو، یا اس کا استاد یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور ہو تو اس شخص کی نسبت اس کی جانب ہوسکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں امیر یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کا شاگرد یا فلاں صاحب کا مرید ہے

---

[1] یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا" (متی ۱:۱۶) "یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا" (لوقا ۳:۲۳)

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے، اور سلسلۂ نسب میں کسی کو داخل کرلینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ اُن کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں مشہور یا معتبر نہ تھی

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لوقا مسیحؑ کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اگلے پچھلوں کو حیران بنا رکھا ہے، اور ایک دو حرف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دُور ہوسکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳

جو شخص انجیل متی کے باب ۲ کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہوسکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں:۔

ولادت مسیحؑ کے بعد حضرت مریمؑ کہاں رہیں؟

متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے والدین مسیح کی پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہوگیا تھا تو ان کے والدین مصر[1] چلے گئے، اور ہیرودیس[2]

---

[1] "پس وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا" (متی ۲/۲۱)

[2] ہیرودیس Herod the great یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصرہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زچگی کے دن پورے کرتے ہی یروشلم چلے گئے تھے، اور دستر بانی کی رسم ادا کر کے ناصرہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا، البتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یروشلیم چلے جاتے تھے، ہاں مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر عمر کے بارھویں سال میں یروشلیم میں تین روز قیام کیا[2]، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت اللحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر اُن کے آمد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصرہ میں ہوسکتی ہے، کیونکہ راستہ میں اُن کی آمد بہت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ اُن کے والدین مصر آگئے ہوں، اور وہیں اُن کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہوداہ کے علاقہ سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب نہ کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟ متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یروشلیم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم[3] نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن[4] تھے،

---

[1] "پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں" (لوقا ۲/۲۲)

"اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پھر گئے (۲/۳۹)

اُس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم جایا کرتے تھے" (۲/۴۱)، [2] لوقا ۲: ۴۲ تا ۵۱،

[3] باب ۲، آیت ۱ تا ۱۲،

[4] "ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے" (۲/۱۳)

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زچگی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے یروشلیم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور رُوح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیحؑ کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیحؑ کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کیے[1]،

اسی طرح حنّاہ نبیہ[2] اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلیم ہیں مسیحؑ کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلیم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیحؑ کا دشمن مانا جائے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیحؑ کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حنّاہ پیغمبر یروشلیم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، فاضل نورٹن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

اختلاف ۵۶

انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیحؑ نے جماعت کو "وعظ تمثیلات"[3] کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

---

[1] ۲: ۲۵ تا ۳۲　　[2] ۲: ۳۶ تا ۳۸

[3] "وعظ تمثیلات" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس وعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حقائق کو تمثیلات کے پیرایہ میں بیان فرمایا تھا، اور "پہاڑی وعظ" سے مراد وہ وعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، یہ وعظ متی ۵ و ۶ و ۷ میں موجود ہے، تقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب ۸ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے "پہاڑی وعظ" کے بعد پیش[1] آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے، لہٰذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا اُن کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے بیان کریں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی قرار دیا جائے گا۔

اختلاف ۵۵

مرقس باب ۱۱ میں لکھتا ہے کہ مسیحؑ اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلیم پہونچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا،[2] اس کے برعکس متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہورن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گذشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی جلد[4] مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۷۵ و ۲۷۶ پر یہ کہتا ہے:۔

"ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی"

اختلاف ۵۶

متی باب ۸ میں "پہاڑی وعظ" کے بعد پہلے کوڑھی کو صحتیاب کرنے کا واقعہ لکھتا ہے،[3] پھر حضرت عیسیٰؑ کے کفرناحوم پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا،[4] پھر پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے،[5]

---

[1] باب ۸، آیت ۲۳ تا ۲۷،

[2] یروشلیم پہونچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۷ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہے اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے [3] آیت ۳، [4] آیت ۱۳ [5] آیت ۱۶

اس کے برعکس لوقا سب سے پہلے پطرس کے حامیوں کو شفاء[1] دینا بیان کرتا ہے، پھر باب ۵[2] میں کوڑھی کو شفاء دینا، پھر باب ۷ میں صوبیدار کے غلام کو شفاء[3] دینا بیان کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیاء کون تھا؟ اختلاف ۵۷

یہودیوں نے کاہنوں اور لاوی کی اولاد کو یحییٰؑ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ "تو کون ہے؟" چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ "کیا تو ایلیاء ہے؟" یحییٰؑ نے جواب دیا کہ "میں ایلیاء نہیں ہوں"

جس کی تصریح انجیل یوحنا، باب ۱[4] میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول حضرت یحییٰؑ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"اور چاہو تو مانو، ایلیاء جو آنے والا تھا یہ ہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ[5] کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاء کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ ایلیاء البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاء تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا، تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ[6] دینے والے کی بابت کہا ہے" (آیات ۱۰ تا ۱۳)

---

[1] (۳۸) یاد رہے کہ یہاں پطرس کا نام شمعون مذکور ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲

[2] آیت ۱۳، [3] آیت ۱۰، [4] آیت ۱۹ تا ۲۱۔

[5] "فقیہ" اور "کاتب" سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲

[6] انجیل میں حضرت یحییٰؑ کا نام "یوحنا المعمد" مذکور ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یحییٰؑ ہی موعود ایلیاہ ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہوگیا۔

نصاریٰ کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے

اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰؑ مسیح موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہویقیم بن یوسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو بارُوخ علیہ السلام نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا[1] جلاڈالا، تو ارمیاہ علیہ السلام کی جانب یہ وحی آئی:

"اس لئے شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے"

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۳۶ میں کیگئی ہے، حالانکہ مسیح کیلئے داؤدؑ کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہے، جیساکہ لوقا نے حضرت جبرئیلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ: "اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا"

دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہؑ کے آنے پر مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیا نہیں آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا ظا

[1] حضرت ارمیاہ علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر بخت نصر کے عذاب کی پیشگوئی تھی، بادشاہ وقت یہویقیم نے جب اسے سنا تو اُسے جلا ڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲

ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰؑ کا قول یوں نقل کیا ہے:۔

"کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں"

اور تھسلنیکے والوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۹ میں پولس کا قول دجال کے حق میں مذکور ہے کہ:۔

"جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور عجیب کاموں کے ساتھ"

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو توریت کے حکم کے بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویٰ تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کیونکہ یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل ومفصل معلوم ہونے والا ہے) اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہویقیم کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان سے پہلے ایلیاہ بھی نہیں آئے، جیسا کہ یحییٰؑ کا اعتراف ہے کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں، اس کے خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ ماننے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات ع

محال ہے کہ ایلیا، خدا کا پیغمبر اور صاحبِ الہام ہو، اور خود اپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس لئے دوسری مقدمہ کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے، اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ ع نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ واجب القتل[۱] ہوئے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں ہو سکتے، چہ جائے کہ اُن کو دلیلِ نبوّت مانا جائے، لہذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل کرنے میں ذرا بھی قصور وار نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہے جبکہ دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسلّمہ طور پر صاحبِ معجزات بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ خدا کے سچے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے، اس سلسلہ میں عیسائیوں نے اُن پر کھلا بہتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

اختلاف ۵۸ تا ۶۲

انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱، اور انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے :-

[۱] خاک بدہن گستاخ ۱۲

"دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا"۔

تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعویٰ کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی[1] باب ۳ آیت ا سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے :۔

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا"

دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اوّل تو لفظ "تیرے آگے" تینوں انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیاء علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے ملاخیاءؑ کا کلام دوسرے جملہ میں ضمیر متکلم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے ضمیر خطاب سے نقل کیا ہے،

ہورن اپنی تفسیر جلد ۲ میں ڈاکٹر ریڈلف کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

"مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے"

یہ چھ اختلافات ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

اختلاف ۶۴ تا ۶۷

انجیل متی باب ۲ کی آیت ۶، کتاب میکاہ کے باب ۵ آیت ۲[2] کی مخالف ہے اور کتاب اعمال الحوارین کے باب ۲ کی ۴ آیات نمبر ۲۵ تا ۲۸، عربی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱۵ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے زبور نمبر ۱۶ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالف ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور عبرانیوں کے نام خط

---

[1] مگر مرقس نے تصریح کی ہو کہ یہ قول یسعیاہ نبی کی کتاب سے ماخوذ ہے (دیکھئے) باقی دو میں کوئی حوالہ نہیں ۱۲

[2] اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ ،

[3] کتاب اعمال میں ہو "میں خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہو تاکہ مجھے جنبش نہ ہو اسی سبب سے میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا رہیگا ۔ ۔ ۔ ۔ تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں" (۲: ۲۵: ۲۸) اور زبور میں ہو "میں نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (باقی برصفحہ آئندہ)

باب ۵ کی تین آیات نمبر ۵ تا ۷ (عربی تراجم کی رُو سے) زبور نمبر ۳۹ یا (دوسرے تراجم کے اعتبار سے) زبور نمبر ۴۰ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں[1]،

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، کتاب عاموس کے باب ۹ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں[2]، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں،

اختلاف ۶۸ | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۲ کی آیت ۹ میں ہے کہ:-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ وہ میرا داہنا ہاتھ ہے اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب سے میرا دل خوش اور میری روح شاداں ہے، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا..... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا" (۱۶: ۸ تا ۱۱) خط کشیدہ الفاظ میں اختلاف ظاہر ہے ۱۲

[1] عبرانیوں کے نام: "تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں" (۱۰: ۵ تا ۷) اور زبور میں ہے: "قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی...... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہے، بلکہ تیری شریعت میرے دل میں ہے" (۴۰: ۶ تا ۸)

[2] کتاب اعمال: "میں پھر آکر داؤد کے گرے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کرکے اُسے کھڑا کردوں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں" اور عاموس: "میں اس روز داؤد کے گرے ہوئے مسکن کو کھڑا کرکے اس کے رخنوں کو بند کردوں گا، اور اس کے کھنڈر کی مرمت کرکے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کروں گا، تاکہ وہ ادوم کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میرے نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں" (۹: ۱۱ و ۱۲) اختلاف ظاہر ہے،

"بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں، نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کردیں"

عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"کیونکہ ابتداء ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے"

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں، اور تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

اختلاف ۶۹

متی نے اپنی انجیل کے باب ۲۰ میں لکھا ہے کہ:۔

"عیسٰی علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بیٹھا ہوا دیکھا اور اُن کو اندھے پن سے شفاء دی"[1]

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب ۱۰ میں یوں لکھا ہے:۔

"تو تمائی کا بیٹا برتمائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا"

پھر اُسے شفاء دینے کا واقعہ مذکور ہے،

اختلاف ۷۰

متی نے باب ۸ میں[2] لکھا ہے کہ:۔

"عیسٰی علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں کو شفاء دی"

---

[1] یہ آیات ۲۹ تا ۳۴ کا مفہوم ہے ۱۲ [2] آیت ۲۸،

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب ۸ میں لکھا ہے کہ :-

"ان سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انھوں نے اس کو شفا دی"

اختلاف ۱۷

متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ :-

"عیسیٰ علیہ السلام نے دو شاگردوں کو گدھی اور اس کا بچہ لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے"

اور باقی ان تینوں انجیل والوں نے لکھا ہے کہ :-

"صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے"

اختلاف ۲۷

مرقس نے باب اوّل میں لکھا ہے کہ :-

"یحییٰ ٹڈیاں اور خشکی کا شہد کھایا کرتے تھے"

اور متی باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ :-

"وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے"

اختلاف ۳۷ تا ۵۷

جو شخص انجیلِ مرقس کے باب ۱ اور انجیل متی کے باب ۴ اور انجیل یوحنا کے باب ۱ کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل تین اختلافات نظر آئیں گے :-

متی اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

---

۱ مرقس ۵: ۲ و لوقا ۸ : ۲۷ ، یاد رہے کہ اردو ترجموں میں "دیوانہ" کی بجائے "جس میں بد روحیں تھیں" کے الفاظ ہیں ۱۲ ۲ آیت ۲ ، ۳ مرقس ۱۱: ۱ تا ۱۰ و لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸ و یوحنا ۱۲: ۱۴ ، ۴ آیت ۶ ، ۵ آیت ۱۸ و ۱۹ ، ۶ آیات ۱۸ تا ۲۲ ، ۷ آیت ۱۶ تا ۲۰ ،

۸ یہاں سے اختلاف نمبر ۸۲ تک کسی جگہ اناجیل کی عبارتیں بعینہا نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اگرچہ وہ واوین کے درمیان ہوں،

"عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل کی جھیل کے کنارے ہوئی، مسیحؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیحؑ کی اتباع کی"

اور یوحنا[1] کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

"یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی"

(۲) متی اور مرقس کہتے ہیں کہ:۔

"پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جھیل پر ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب اور یوحنا اسی جھیل پر ملے"

اور یوحنا لکھتا ہے کہ:۔

"پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی... اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیحؑ نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ کیا تو فیلپس آکر ملا، پھر اس کی ہدایت پر نتن ایل حاضر ہوا[2]"

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

(۳) متی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ:۔

"مسیحؑ جب اُن سے ملے ہیں تو یہ لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے"

اور یوحنا جال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ:۔

"یوحنا اور اندراوس نے یحییٰؑ سے عیسیٰؑ کی تعریف سُنی اور دونوں خود مسیحؑ کی خدمت

---

[1] آیات ۴۰ تا ۴۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود رہنے کے وقت بیان کیا ہے،

[2] آیات ۴۲ تا ۵۱،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا"

لڑکی کو زندہ کیا یا شفاء دی اختلاف ۷۶

جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے باب ۵ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:-

"رئیس مسیح کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مرگئی"[1]

دوسری انجیل کہتی ہے:-

"وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب[2] ہے، پھر علیٰ اس کے ہمراہ گئے، پھر جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انھوں نے اس کے مرنے کی خبر دی[3]"

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ مجمل حال نہ لکھتا، لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا[4]

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت آج تک معمہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مرگئی تھی یا نہیں؟ فاضل نینڈر اس کی موت کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مُردہ نظر آتی تھی،

---

[1] متی ۹: ۱۸،　[2] مرقس ۵: ۲۳،　[3] آیت ۳۵،

[4] لوقا ۸: ۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تقی

واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میشر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں، بلکہ سوتی ہے[1] ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مُردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت اختلاف نمبر ۷۷

انجیل متی کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو اُن کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا[2]، انجیل مرقس باب ۶ آیت ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی[3]

حضرت یحییٰ ؑ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو کب پہچانا؟ اختلاف ۷۸،

انجیل متی کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ :-

"جب عیسیٰ ؑ یحییٰ ؑ کے پاس اصطباغ[4] کے لئے آئے تو یحییٰ ؑ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود آپ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں؟ پھر عیسیٰ ؑ نے اُن سے اصطباغ لیا، اور

---

[1] لوقا ۸: ۵۳ و مرقس ۵ : ۳۹ ،

[2] "راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دو دو کرتے، نہ جوتیاں، نہ لاٹھی" (۱۰ : ۱۰)

[3] "راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو" (مرقس ۶ : ۸)

[4] اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہو کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں یا کسی رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دُھلتے ہیں، کوئی شخص نیا نیا عیسائی ہوتا ہے تو اس کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو "بپتسمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۲ تقی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی "

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں [1] ہے کہ :-

"یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے، اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے "

اور انجیل متی کے باب ۱۱ میں یوں ہے :-

" اور یوحنا [2] نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنکر اپنے شاگردوں کی معرفت پُچھوا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں "

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰؑ عیسیٰؑ کو نزولِ روح کے پہلے سے جانتے تھے [3] اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ روح سے پہلے بالکل واقف نہ تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو نہیں پہچانا [4]،

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۲۳ پر پہلی دونوں عبارتوں کی ایسی توجیہہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

---

[1] آیت ۳۲ و ۳۳،

[2] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲

[3] کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بناء پر انکار کیا ۱۲

[4] اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۱۲

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں کی ہے[1]، چونکہ توجیہہ مذکور کمزور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے تطویل کے اندیشہ سے اُسے یہاں ترک کر دیا،

اختلاف ۷۹

انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:-

"میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں"،

اور اسی انجیل کے باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-

"اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے"

اختلاف ۸۰

انجیل متی باب ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفاء کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی[2]،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومیت کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سورفینیقی تھی[3]،

حضرت عیسیٰؑ نے کتنوں کو شفاء دی؟ اختلاف ۸۱

مرقس باب ۷ میں لکھا ہے:-

"عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا تھا جو بہرا اور گونگا تھا[4]"

اس کے برخلاف متی نے باب ۱۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے، اور کہتا ہے کہ:-

---

[1] ص ۳۸۳ ج اول، اس موقع پر مصنفؒ نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،
[2] "اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی الخ" (۱۵: ۲۲) [3] آیت ۲۶،
[4] آیات ۳۲ تا ۳۵، [5] آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲

"ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور ان کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے انھیں اچھا کر دیا۔"

انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی | یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ چوتھی انجیل والے نے اپنی انجیل کے آخر میں کیا[1] ہے کہ :-

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پردازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ یہ لوگ عیسائیوں کے نزدیک صاحبِ الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے ؟

اختلاف نمبر ۸۲ | انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیحؑ نے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا :-

"تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا، وہ بہت دل گیر ہوئے، اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے، وہی مجھے پکڑوائے گا..... یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربی : کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا۔"

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

[1] یوحنا ۲۱ : ۲۵

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کرکے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کرکے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دیدوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبویا، اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا"

اختلاف نمبر ۸۳

متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے ہوئے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ:۔

"یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کرلینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کرلیا[۱]"

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۱۸ میں اس طرح[۲] ہے کہ:۔

"پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور ان سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے ان سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا، اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی

---

[۱] یہ آیت ۴۸ تا ۵۰ کا مفہوم ہے ۱۲ [۲] آیات ۳ تا ۱۳ ،

ہی ہوں، وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ تو چکا۔ . . کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جانے دو ...... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا "

پطرس کا انکار اختلاف نمبر ۸۴

چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار[1] کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ سے اختلاف کر رہے ہیں :-

(۱) متی[2] اور مرقس[3] کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰؑ کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی روایت کے مطابق[4] ایک باندی اور دو مرد تھے،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بروایت انجیل) گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا کہ تم مُرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچاننے سے انکار کرو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہے، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰؑ کا ساتھی ہونے اور آپ کو پہچاننے سے انکار کیا، اتنے میں مُرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰؑ کی کہی ہوئی بات یاد آئی، مصنفؒ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تقی

[2] ۲۶: ۶۹ تا ۷۵،

[3] مرقس ۱۴: ۶۶ تا ۷۲، میں مذکور ہے کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

[4] لوقا ۲۲: ۵۶ تا ۶۰،

(۲) پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس کے مکان کے صحن میں تھے[1]، اور لوقا کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے نیچے کے حصہ میں[3]، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر[4]،

(۳) پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے[5]،

(۴) مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

(۵) متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا[6]، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا[7]،

(۶) پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے" اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف "میں نہیں ہوں" تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب "میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے" اور لوقا کے بیان کے موافق "اے عورت میں اس کو نہیں جانتا

---

[1] آیت ۶۹، [2] آیت ۵۵، [3] آیت ۶۶، [4] یوحنا ۱۸: ۱۶ و ۱۷،

[5] یوحنا میں ہے کہ "کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟" (۱۸: ۱۷) لوقا میں ہے کہ لونڈی نے سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہ بھی اس کے ساتھ تھا" مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا "تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا" ۱۲

[6] متی ۲۶: ۳۵ ولوقا ۲۲: ۳۴،

[7] مرقس ۱۴: ۳۰،

(۷) متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا "میں اس آدمی کو نہیں جانتا" اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ "میں نہیں ہوں" اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق "میاں میں نہیں ہوں"

(۸) کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔

اختلاف نمبر ۸۵

انجیل لوقا باب ۲۳[1] میں ہے کہ:۔

"اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انھوں نے شمعون نام ایک کرینی[2] کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے"

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:۔

"پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے"

اختلاف نمبر ۸۶

پہلی تینوں انجیلوں[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۶ بجے کے قریب صلیب پر تھے،

---

[1] آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۳۲ و مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھائے کھوپڑی کی جگہ تک گیا ۱۲　　[2] قیروان شہر کی جانب منسوب ہے،

[3] متی ۲۷: ۴۵ و مرقس ۱۵: ۳۳ و لوقا ۲۳: ۴۴ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھایا رہا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر "چھ بجے" کے بجائے "دوپہر کے قریب" کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی

اور انجیل یوحنا[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطس[2] نبطی کے دربار میں تھے،

اختلاف نمبر ۸۷ متی اور مرقس[3] ان دو چوروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیحؑ کے ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ:

"وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوتے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے"

لیکن لوقا کا بیان[4] یہ ہے کہ ایک نے مسیحؑ کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلا کر کہا

"اے یسوع؛ جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا"[5]

پھر مسیحؑ نے اس کو جواب دیا کہ:

"آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا"

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۶ء کے مترجموں نے متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تثنیہ کو مفرد سے بدل دیا[6]، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

---

[1] یوحنا ۱۹: ۱۴ کے اردو ترجمہ میں بھی "چھٹے گھنٹے" کے الفاظ ہیں ۱۲

[2] پیلاطس Pilate یہوداہ کا گورنر جو حضرت عیسیٰؑ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۲

[3] متی ۲۷: ۴۴، مرقس ۱۵: ۳۲،

[4] ۲۳: ۴۲ و ۴۳،

[5] صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے جھڑک کر جواب دیا کہ "کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ" (۲۳: ۴۰)

[6] مگر موجودہ اردو ترجموں میں تثنیہ ہی کا صیغہ ہے،

اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اریحا سے روانہ ہو کر یروشلیم پہونچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۱ و ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افرائیم سے چل کر بیت عنیاہ پہونچے جہاں پر رات گذاری پھر یروشلیم آئے،

حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ان اناجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر چڑھنے سے قبل تین مُردوں کو زندہ کیا، اول رئیس کی بیٹی کو، جیساکہ پہلی تینوں انجیلوں والے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مُردہ جس کو فقط لوقا اپنی انجیل کے باب ۷ میں نقل کرتا ہے تیسرا لعزر جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،

مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

"مسیح کو دُکھ اٹھانا ضرور ہے، اور سب سے پہلے وہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اس امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دیگا۔"

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:-

"مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پہل ہوا۔"

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ:-

"مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ۔"

---

[۱] آیت ۵۴، [۲] آیات ۱۱ تا ۱۵،
[۳] آیات ۴۱ تا ۴۴، [۴] آیت ۲۳،

اور کلسیوں کے نام پولس کے خط کے باب میں حضرت مسیحؑ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا، تاکہ سب مُردوں میں اس کا اوّل درجہ ہو"

یہ تمام اقوال مسیحؑ سے پہلے کسی مرنے والے کے اُٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیحؑ سب سے پہلے اُٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب سے مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟:- (۱) وہ مُردوں میں سب سے پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلوٹھا ہوگا، (۳) مسیحؑ پہلوٹھا ہے اور مُردوں میں پہلا ہے،

اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے:

"اور یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا"

اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوبؑ کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے:

"جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اُترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا، وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی" (آیات ۹ تا ۱۰)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں:

"ابر پراگندہ شدہ نابود می شود بہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخانہ اش دیگر بر نخواہد گردید و مکانش دیگر ویرا نخواہد شناخت"

ترجمہ "بادل پراگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پہچانے گی"

اور اسی کتاب کے باب ۱۴ آیت ۱۲ میں ہے کہ:-

وہیسے آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے "

پھر آیت ۱۲ میں ہے:

اگر آدمی مرجائے تو کیا وہ پھر جئے گا؟"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے:

انسان میخوابد و نخواہد برخاست تا دمیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواہد شد واو از خواب برنخواہد برخاست "

ترجمہ: انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تاوقتیکہ آسمان نہ مٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اُٹھے گا"

اور چودھویں آیت میں ہے:

آدمی ہرگاہ بمیرد، آیا زندہ می شود"؟ جُب آدمی مرجاتا ہو تو کیا وہ زندہ ہوتا ہو؟

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ سے کبھی بھی مُردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۷ میں معلوم ہی ہوچکا ہے[1]۔

نیز ایوبؑ کے اقوال[2] سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ مسیحؑ کا مُردوں کے درمیان اُٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سُولی دیئے جانے کا واقعہ ان

---

[1] کتاب ہذا، ص ۳۹۱ جلد ہذا

[2] یہ بات قدرے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہوسکتی ہو، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا ۱۲ تقی

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتٰی کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ محض الزامی طور پر کہا ہے، جیساکہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جاچکا ہے

حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ زندہ ہونا، اختلاف ۹۰

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی اور دوسری مریم[۲] جب قبر کے پاس پہونچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ[۳]،

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلومی جب قبر کے پاس پہونچیں تو دیکھا کہ پتھر لُڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا[۴]،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہونچیں تو پتھر کو لُڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل ہوگئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہوگئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں[۵]،

---

[۱] یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیرو تھیں، (اور بزعم نصاریٰ) آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آئی تھیں،

[۲] انہیں متی ۲۷: ۵۶ میں یوسیس کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۲۴: ۱۰ میں یعقوب کی ماں ۱۲

[۳] پورے الفاظ "تم نہ ڈرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جاکر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے"، (۲۸: ۵ تا ۷)

[۴] ۱۶: ۴ و ۵، پھر اُس نے وہی بات کہی جو متی ۲۸: ۵ سے ہم نے نقل کی ۱۲ [۵] لوقا ۲۴: ۲ تا ۴،

اختلاف نمبر ۹۱

متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے جب دونوں عورتوں کو خبر دی کہ مسیح زندہ ہوگیا ہے تو وہ دونوں واپس ہوئیں، اور راستہ میں اُن سے مسیح کی ملاقات ہوئی، مسیح نے اُن کو سلام کیا، اور کہا کہ تم جاؤ اور میرے بھائیوں کو کہدو کہ وہ گلیل چلے جائیں، وہاں مجھ کو دیکھ سکیں گے[1]،

اور لوقا کہتا ہے[2] کہ ان عورتوں نے جب دو شخصوں سے سُنا تو واپس ہوئیں اور گیارہ اشخاص اور تمام شاگردوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی، مگر انھوں نے ان عورتوں کے بیان کو سچا نہیں مانا،

اور یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ کی ملاقات مریم[3] سے قبر کے پاس ہوئی[4]،

ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟ اختلاف ۹۲

انجیل لوقا کے باب ۱۱[5] میں لکھا ہے کہ:-

ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریاہ کے خون تک جو قربان گاہ اور مقدس کے بیچ میں ہلاک ہوا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے باز پرس کی جائے گی"

اور کتاب حزقیال کے باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کے عوض ماخوذ نہ ہوگا[6]،

اسی طرح تورات کے اکثر مقامات میں لکھا ہے کہ اولاد تین یا چار پشتوں تک باپ دادا کے گناہوں کے عوض ماخوذ ہوگی۔

---

[1] ۲۸: ۸ تا ۱۰ ، [2] ۲۴: ۹ ، [3] یعنی مگدلینی ، [4] یوحنا ۲۰، ۱۳ تا ۱۵ ،
[5] آیت ۵۱ ، [6] "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ (حزقی ایل ۱۸: ۲۰)

اختلاف نمبر ۹۳

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ:-

"یہ ہمارے[1] منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں۔"

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ:-

"اسی سبب سے خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب سزا پائیں"

ملاحظہ کیجئے، پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی ہے کہ خدا اُن پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس اُن کو سزا دے گا، حالانکہ پروٹسٹنٹ[2] کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جاتے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے گمراہ کرنا، پھر اُن کو سزا دینا تمہارے نزدیک نجات اور معرفتِ حق حاصل کرنے کی کوئی قسم ہے؟

پولس کے عیسائی ہونیکا واقعہ
اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

کتاب الاعمال کے باب ۹ و باب ۲۲ و باب ۲۶ میں پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا[3] ہے، اور تینوں ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

---

[1] یعنی انسانوں کو سنجیدگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گذارنا (آیت ۲)

[2] یہاں مصنفؒ خاص طور سے علماء پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالقِ شر نہیں مانتے اور رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے،

[3] اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دمشق جا رہا تھا، راستہ میں ایک نور اس پر چمکا، اور اُسے حضرت

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالة الشکوک میں ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:۔

۱۔ باب[1] ۹ میں ہے کہ:۔

"جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے"

اور باب[2] ۲۲ میں یوں ہے کہ:۔

"اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی"

دیکھئے پہلی عبارت میں "آواز تو سنتے تھے" اور دوسری میں "آواز نہ سنی"۔ دونوں کس قدر مختلف ہیں؟

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:۔

"اُٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا"

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:۔

"خداوند نے مجھ سے کہا اُٹھ کر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا"

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:۔

"اُٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو اُن کی آنکھیں

---

[1] آیت ۷، [2] آیت ۹،

کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں "

دیکھئے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی تفصیل و توضیح کو شہر میں پہونچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے[۵۱]، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تیئیس ہزار یا چوبیس ہزار؟ اختلاف نمبر ۹۷،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

"اور ہم حرامکاری نہ کریں جس طرح ان میں سے بعض نے کی[۵۲]، اور ایک ہی دن میں تیئیس ہزار مارے گئے"

اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:-

"جتنے اس وبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا"

---

۵۱ "جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ" (اعمال ۲۶: ۱۴)

۵۲ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو گنتی ۲۵: ۹ میں مذکور ہوا اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل شطیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے ان میں کے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تقی

دونوں میں ایک ہزار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے،

حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸

کتاب الاعمال کے باب ۷ آیت ۱۴ میں ہے کہ:۔

"پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ اور سارے کنبہ کو جو پچھتر جانیں تھیں بلا بھیجا"۔

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اُس بلا بھیجنے سے قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور ان کی اولاد کے باقی خاندانِ یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲۷ میں ہے کہ:۔

"سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے"

اور یوسفؑ اور اُن کے بیٹے ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد میں داخل ہیں، لیّا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راخیل کی ۱۱، بلہا کی ۷ اولاد یہ کُل ۶۶ افراد تھے، پھر جب اُن کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور اُن کے دونوں بیٹوں کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہے۔

امن و سلامتی یا جنگ و پیکار؟ اختلاف نمبر ۹۹

انجیل متی کے باب ۵ آیت ۹ میں یوں ہے کہ:۔

"مبارک[1] ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:۔

---

[1] عربی ترجمہ میں "طوبیٰ لہم" کے الفاظ ہیں، جس کے معنی "مبارک ہیں" کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "انھیں جنت ملے گی" ۱۲

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں"

ملاحظہ کیجئے! دونوں کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰؑ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ اُن کو ابن اللہ کہا جاتا ہے،

یہوداہ اسکریوتی کی موت اختلاف نمبر ۱۰۰

متی نے یہوداہ اسکریوتی[1] کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور لوقا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا ہے

دونوں بیانوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اوّل تو یہ کہ پہلے[2] میں تصریح کی گئی ہے کہ "اس نے جاکر اپنے آپ کو پھانسی دی" دوسرے میں یہ بات[3] صاف طور پر کہی گئی ہے کہ "وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں"

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا[4]،

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک جس نے (بقول انجیل) آخر میں غداری کرکے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰؑ کو پکڑوایا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نادم ہوکر وہ تیس روپے سرداروں کو واپس کردیئے تھے، (تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۱۶ و ۴۱۷ جلد ہذا

[2] متی ۲۷: ۵　[3] اعمال ۱: ۱۸،

[4] "سردار کاہنوں نے روپیہ لیکر کہا ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے پس انھوں نے مشورہ کرکے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کیلئے خریدا" (متی ۲۷: ۶ و ۷)

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کھیت خریدا تھا[1] مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

"اور یہ یروشلیم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے[2]، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:-

(۱) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہوداموت سے پہلے اس بات پر نادم ہوا کہ اس نے کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰؑ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

(۲) اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہوداہ نے تیس دراہم کاہنوں کے سرداروں اور بوڑھوں کو واپس کر دیئے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلاطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلاطس کے عبادت خانہ

---

[1] "اُس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا" (اعمال ۱: ۱۸)

[2] عیسائیوں کے ممتاز عالم اے. لیوکن ولیمز A. Lukyn Williams نے یہوداہ اسکریوتی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن تیس روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو راجح قرار دیا۔ دوسرے اختلاف کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ "متی ۲۷: ۵ اور اعمال ۱: ۱۸ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہوداہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے"۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۱۶۸ جلد ۱۳، مقالہ " Judas Iscariot "

پر کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے ؟ اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا،

حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد، اور ان سے بہت خوش تھا[1]، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیاس[2] کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیاس کی رضا جوئی کی خاطر یحییٰ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰ سے اپنی بدکاریوں کی بناء پر نالاں اور ناراض تھا[3]،

بارہ حواریوں کے نام اختلاف نمبر ۱۰۶

متی و مرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب بن زبدی، یوحنا، فلپس، برتلمائی، توما، متی، یعقوب بن حلفی شمعون قنانی، یہوداہ اسکریوتی، لیکن بارہویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

---

[1] "ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے بچائے رکھتا تھا، اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا" (۶: ۲۰)

[2] ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرا دیا (دیکھئے مرقس ۶: ۱۷)

[3] "اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں الخ" (۳: ۱۹)

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبّادس ہے، اور لقب تدادس تھا[1]، مرقس، تدادس بیان[2] کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہوداہ ہے، یعقوب کا بھائی[3]،

اختلاف نمبر ۱۰۷

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰؑ نے اس سے کہا:-

"میرے پیچھے ہولے، وہ اٹھکر اس کے پیچھے ہولیا"

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقلین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیل باب[4] ۹ میں کہتی ہے کہ اس کا نام متی ہے، دوسری انجیل باب[5] ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب[6] ۵ میں صرف لاوی بغیر ولدیت کے مذکور ہے، اور ان سے اگلے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں سب نے متی کا نام ذکر کیا ہے[7]، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

اعظم الحواریین یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۱۰۸

متی نے اپنی انجیل کے باب[8] ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے پطرس کو اعظم الحواریین[9] قرار دیا، اس طرح کہ اس سے فرمایا:-

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف "تدّی" مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)
[2] اردو ترجمہ میں تدّی مذکور ہے (مرقس ۳: ۱۸) [3] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، (لوقا ۶: ۱۶) اعمال ۱: ۱۳ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، [4] متی ۹: ۹، [5] مرقس ۲: ۱۴، [6] لوقا ۵: ۲۷،
[7] یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے "اور متی محصول لینے والا" اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲ [8] آیت ۱۸ و ۱۹،
[9] چنانچہ، رومن کیتھولک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پروٹسٹنٹ اُسے تسلیم نہیں کرتا ۱۲ تقی

"میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور عالمِ ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا، اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا"

پھر آگے اسی باب[1] میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰؑ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"

علماء پروٹسٹنٹ نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جو اقوال پطرس کی مذمت میں نقل کئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی بیماری تھی، اور اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا، آگسٹائن کہتا ہے کہ:

"یہ شخص ثابت قدم اور پختہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا"

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن ہے جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پا سکیں؟

اختلاف نمبر ۱۰۹

لوقا نے اپنی انجیل کے باب[2] ۹ میں نقل کیا ہے کہ یعقوب اور یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:

"اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں[3] بھسم کر دے"

اس پر حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ:

لہ آیت ۲۳ ، ؎۲ آیت ۵۴ تا ۵۶ ، ؎۳ یعنی سامرہ کے باشندوں کو ۱۲

"تم نہیں جانتے کہ تم کیسی روح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا"۔

لیکن پھر باب[۱] ۱۲ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے :۔

"میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا"۔

اختلاف نمبر ۱۱۰

متی و مرقس اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰؑ پر روح[۲] القدس کے نازل ہونے کے وقت سنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ بیان کرنے میں تینوں کا اختلاف ہے،

پہلا[۳] کہتا ہے کہ :۔ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"۔

دوسرا[۴] کہتا ہے کہ :۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے جس[۵] سے میں خوش ہوں"۔

تیسرا[۶] کہتا ہے کہ :۔ "تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں"۔

اختلاف نمبر ۱۱۱

متی نے باب ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں[۷] نے درخواست کی تھی کہ :۔

"میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب اپنی بادشاہت میں جگہ دیں"۔

---

[۱] آیت ۴۹ ، [۲] اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۷، جلد ہذا، اختلاف ۱۱۹
[۳] متی ۳: ۱۷ ، [۴] مرقس ۱: ۱۱ ،
[۵] یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے بالکل موافق ہے ۱۲
[۶] لوقا ۳: ۲۲
[۷] "زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ" الخ (متی ۲۰ : ۲۰)

اور مرقس نے باب۱ میں نقل کیا ہے کہ یہ درخواست خود زبدی کے بیٹوں[1] نے کی تھی،

انجیر کے سوکھنے کا واقعہ اختلاف نمبر ۱۱۲ ،

متی نے باب[2] ۲۱ میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھکر اس کے پاس گیا، اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا، شاگردوں نے یہ دیکھکر تعجب کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا"۔

پھر حضرت مسیحؑ نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب[3] ۱۱ میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

"اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھکر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا"

اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلیم تشریف لے گئے، اور جب شام ہوئی تو شہر سے باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گذر دوبارہ اس درخت پر سے ہوا تو:۔

"اس[4] انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے"۔

اس پر حضرت مسیحؑ نے جواب دیا، غور فرمائیے دونوں عبارتوں میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰؑ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت کا پھل بغیر اس کے مالک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بد دعا دینا، جس سے مہ

---

[1] زبدی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آکر کہا" الخ (مرقس ۱۰: ۳۵)

[2] آیات ۱۸ تا ۲۰، [3] آیات ۱۳ و ۱۴، [4] آیات ۲۰ و ۲۱

مالک کو نقصان دینا متصور ہو، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات بھی بعید از عقل ہو کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جائے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جائے، بلکہ شانِ اعجاز کا مقتضیٰ تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعاء کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیحؑ خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انگور والے کی مثال
اختلاف نمبر ۱۱۳

انجیل متی باب ۲۱ میں انگور لگانے والے کی مثال[1] بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"پس جب تاکستان کا مالک آجائے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں[2]"

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب[3] ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

---

[1] یہ مثال حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہو کہ ایک شخص نے ایک انگور کا باغ (تاکستان) لگایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر چلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر بھگا دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اُسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳ تا ۳۹)

[2] آیت ۴۰ و ۴۱، [3] (۲۰: ۱۶)

آب تاکستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کرے گا اور تاکستان اوروں کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سنکر کہا، خدا نہ کرے"

ان دونوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آرہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک ان کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف کہا گیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا[1]

حضرت مسیحؑ کے سر پر عطر ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۴

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ[2] جس نے مسیح پر خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے:۔

(۱) مرقس نے[3] تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عید فسح[4] سے ....

---

[1] عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا حاشا"

[2] واقعہ انجیل متی کی رو سے مختصراً یہ ہے کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰؑ بیت عنیاہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لا کر آپ کے سر پر ڈال دیا جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، ورنہ غریبوں کے کام آسکتا تھا حضرت مسیحؑ نے سُنکر انھیں تنبیہ کی کہ غربا، تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۲۶: ۶ تا ۱۳)

[3] نیز متی (آیت ۲)

[4] عید فسح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نیسان (اپریل) کی چودھویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فسح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے "عید فسح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خروج ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵، ۸ اور گنتی ۲۸: ۱۶، ۲۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں ۱۲ تقی

دو روز قبل کا ہے[1]، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے[2]، متی عید سے قبل کی مدت[3] بیان کرنے سے خاموش ہے،

(۲) مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرص کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان[4] ذکر کرتا ہے،

(۳) متی اور مرقس[5] خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں[6] کا ذکر کرتا ہے،

(۴) مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ[7] تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہوداہ[8] تھا،

(۵) یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سو سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

(۶) تینوں راوی علیؑ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

---

[1] مرقس ۱۴: ۱،

[2] "پھر یسوع فسح سے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا" (یوحنا ۱۲: ۱)

[3] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲۶: ۲) شاید مصنفؒ کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

[4] بائبل میں اگرچہ لعزر کا مکان مذکور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

[5] متی ۲۶: ۸، مرقس ۱۴: ۴،

[6] "یسوع کے پاؤں پر ڈالا" (یوحنا ۱۲: ۳)

[7] "بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے" (۱۴: ۴)

[8] یعنی اسکریوتی (۱۲: ۴)،

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید[1] ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہو کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوتِ طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معترضین نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰؑ سے اس عورت کے فعل کی درستی اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰؑ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

عشائے ربانی کا واقعہ اختلاف نمبر ۱۱۵،

جو شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی[2] کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

---

[1] یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عطر ڈالنے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

[2] عشاء ربانی (Lord's supper یا Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہو کہ گرفتاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہے تھے، کہ آپ نے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ "یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو" اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی برصفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے:۔

① لوقا دو پیالے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس[1] کے بعد، اور متی و مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً متی اور مرقس کا بیان درست اور لوقا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر خصوصیت کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے کہ ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر پروٹسٹنٹ فرقہ تو بات اسی حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہے اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نجات مل سکتی ہے، اس عمل سے اُن کے نزدیک عقیدۂ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ "میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا (یوحنا ۶: ۵۱) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کرکے کھاجاتا ہے اور اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہوجائیں گے، اور اس سے پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہوجاتی ہے جب کوئی پادری "عشائے ربانی" دیتے وقت لاطینی زبان میں کہے کہ "ہاکیست کارپس میم" یعنی "یہ میرا بدن ہے" تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہے، اور انگور کا رس مسیح کا خون بنجاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں ہوتا ـــــ اس عمل کو "عشائے ربانی" کا نام پولس نے دیا ہے، جیساکہ ۱-کرنتھیوں ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے، (یہ تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ Eucharist اور پادری ایچ ایس نزبٹ کی کتاب "حقائق بائبل وبدعات روم" صفحہ ۶۵ تا ۶۸ سے لی گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲ سے صفحہ ۸۸۹ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے پڑھیں گے ۱۲

[1] کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے الخ (۲۲: ۲۰)

مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پیالہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر کل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم[1] کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفاء کر لیا؟

(۲) لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰؑ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا[2] مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰؑ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا[3]، اور متی کی روایت[4] کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عیسیٰؑ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہے، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہائے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدھے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین مسیحی کے اہم ارکان میں سے ہے اُسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶

انجیل متی باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

"وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ سکڑا ہوا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے"

---

[1] یعنی صرف ایک پیالہ سے "عشائے ربانی" کیوں مناتے ہیں، دو سے کیوں نہیں مناتے؟

[2] "یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے" (لوقا ۲۲: ۱۹)

[3] "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے" (مرقس ۱۴: ۲۴)

[4] لیکن ہمارے پاس سب ترجموں میں "عہد کا خون ہے" کے الفاظ ہیں، مصنفؒ کے نسخہ میں صرف "عہد"

اسی انجیل کے باب ۱۱ میں یوں ہے کہ

میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا جوا ملائم ہے، اور میرا بوجھ ہلکا[2]

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو[2]

اختلاف نمبر ۱۱۷

انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے کہ ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے مقدس شہر میں لے گیا، اور انہیں ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[3]، پھر ایک اونچے پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل[4] کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب ۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ پر لے گیا، پھر یروشلیم لایا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کیا[6]، اور حضرت عیسیٰؑ گلیل لوٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم دینے لگے[8]، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی[9]،

---

[1] آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے ۱۲

[2] کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرما رہے ہیں لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد دنیوی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰؑ اخروی طور سے آسانی کو فرما رہے ہیں ۱۲ تقی

[3] آیت ۵، [4] آیت ۸، [5] آیت ۱۲، [6] آیت ۵، [7] آیت ۹،

[8] آیت ۱۳ تا ۱۵، [9] آیت ۱۶،

صوبہ دار کے غلام کو شفا دینے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۸

انجیل متی کے باب ۸ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صوبہ دار بذات خود مسیحؑ کے پاس آیا اور یہ کہکر اپنے غلام کی شفاء کے لئے درخواست کی :-

"اے خداوند! میں اس لائق نہیں ہوں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، بلکہ صرف زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا"[1]

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ :-

"جیسا[2] تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہوا، اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی"

اور لوقا کی انجیل باب ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کبھی نہیں آیا، بلکہ اس نے یہودیوں کے بزرگوں[3] کو آپ کے پاس بھیجا، پھر مسیحؑ اُن کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب گھر کے نزدیک پہنچے تو :-

"صوبہ دار نے بعض دوستوں کی معرفت یہ کہلا بھیجا کہ اے خداوندا تکلیف نہ کر، کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے، اسی سبب سے میں نے اپنے آپ کو بھی تیرے پاس آنے کے لائق نہ سمجھا، بلکہ زبان سے کہدے تو میرا خادم شفاء پاجائے گا"[4]

پھر یسوع نے اس کی تعریف کی، اور جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ گھر واپس ہوئے تو انھوں نے بیمار غلام کو تندرست پایا،

تجلی کا واقعہ، اختلاف ۱۱۹

متی نے باب ۸ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک فقیہہ کی یہ درخواست نقل کی ہے کہ

---

[1] آیت ۸، [2] آیت ۱۳، [3] آیت ۳، [4] آیت ۶ تا ۸،

میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں[1]، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی[2] کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور اجازت طلبی اپنی انجیل کے باب ۹[3] میں تجلی کے واقعہ[4] کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

پاگل گونگے کا واقعہ
اختلاف نمبر ۱۲۰

متی نے باب ۹[5] میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے[6]۔ پھر باب ۱۰ میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماروں کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب ۱۷ میں بیان کیا ہے، اور لوقا پہلے باب ۹ میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ[7] پھر تجلی کا قصہ[8]، پھر اس باب میں اور باب ۱۰ میں اور باب ۱۱ کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے[9]،

---

[1] یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرینیوں کے ملک میں تشریف لیجا رہے تھے ۱۲

[2] تجلی کا واقعہ از روئے انجیل مختصراً یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ، پطرس، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونچے پہاڑ پر تشریف لے گئے، وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰ و الیاس آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر اچانک ایک نورانی بادل نے اُن پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سنائی دی: "یہ میرا پیارا بیٹا ہے، اور میں اس سے خوش ہوں" اسی کو عیسائی حضرات نزولِ روح القدس سے تعبیر کرتے ہیں،

[3] آیت ۵۷ تا ۶۰، [4] ۹: ۲۸، [5] آیت ۳۲، [6] کہ حضرت مسیح نے اُسے اچھا کر دیا،

[7] آیت ۱، [8] آیت ۲۸، [9] ۱۱: ۱۴،

اختلاف نمبر ۱۲۱

مرقس نے باب ۱۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تین[1] بجے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس اپنی انجیل کے باب ۱۹ آیت ۱۴ میں صاف کہتا ہے کہ :-

حضرت مسیح ۶ بجے تک پیلاطس کے پاس[2] تھے،

مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰؑ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲

متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے:

"تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا" ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا[3]؟"

اور انجیل مرقس باب ۱۵ میں[4] ہے کہ :-

"الوہی الوہی لما شبقتنی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۳ میں[5] یہ الفاظ ہیں :-

"اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں[6]"

---

[1] عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں "پہر دن چڑھا تھا" کا لفظ ہے ۱۲

[2] اس اختلاف کی مزید تفصیل ص ۴۱۹ ج ۲ اور اس کے حاشیہ پر گذر چکی ہے ۱۲

[3] آیت ۴۶ ، [4] آیت ۳۴ ، [5] آیت ۴۶،

[6] یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ متی اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے دو بار زور سے آواز لگائی، پھر متی اور مرقس نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو مجمل چھوڑ کر کہا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز (باقی برصفحۂ آئندہ)

اختلاف نمبر ۱۲۳ متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیحؑ کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چوغہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی تھے[1]، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے[2]،

اختلاف نمبر ۱۲۴ مرقس کے کلام[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں چکھا، اس کے برخلاف تینوں انجیلوں[4] کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰؑ کو سرکہ دیا تھا، اور متی و یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نے وہ سرکہ نوش فرمایا[5]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ بیان کرکے کہا ہے کہ اس کے بعد "دم دیدیا" اس لئے انصاف کی بات یہ ہو کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنفؒ کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان سے چُوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۲ تقی

[1] متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

[2] مگر ہمارے پاس سب ترجموں میں مطلق "سپاہیوں" کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا $\frac{23}{36}$)

[3] ۱۵: ۲۲، اردو ترجمہ میں "مر ملی ہوئی شراب" کا لفظ ہے،

[4] متی ۲۷: ۳۴، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

[5] یہ عربی ترجمہ کی رُو سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ملی ہوئی شراب کا ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ ہو جس میں اناجیل اربعہ متفق ہیں ۱۲ تقی

تیسری فصل

دوسری قسم

غلطیاں

وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القَولِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو "اختلافات" کے ضمن میں آئی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال[1] ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵ سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۲ کے مقصد ۳ کے شاہد نمبر ا میں معلوم ہوگا[2]،

دوسری غلطی کتاب گنتی کے باب ۱ میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

[1] "چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا لشکر ملک مصر سے نکل گیا" (۱۲: ۴۰)

[2] دیکھئے صفحہ ۶۹۶ و ۶۹۷،

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۲۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۲ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے[۱]،

تیسری غلطی
کتاب الاستثناء کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے[۲]،

چوتھی غلطی
کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص ہے[۳]،

پانچویں غلطی
کتاب سموئیل اول باب ۶ آیت ۱۹ میں لفظ "پچاس ہزار مرد" واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب ۲ کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا[۴]۔

چھٹی ساتویں غلطی
کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۷ میں لفظ "چالیس" واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ "ارام" آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ آرام کے ادوم ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد (۲) میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے[۵]،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی،
کتاب تواریخ ثانی باب ۳ آیت ۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ "اور گھر کے سامنے[۶] کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس"

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۳۲۵ تا ص ۳۲۹ جلد ہذا [۲] اس کی تفصیل ص ۳۳۴، ۳۳۵ پر گذر چکی ہے ۱۲

[۳] اس کی تفصیل بھی ص ۳۳۳، ۳۳۴ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے [۴] دیکھئے صفحہ ۷۰۶، ۷۰۷، ج ۲

[۵] دیکھئے صفحہ ۶۳۲ (جلد دوم) شاہد نمبر ۱۳ و ۱۴،

[۶] اس سے مراد وہ ہیکل جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲

اس میں ایک سو بیس کی مقدار بالکل غلط ہی، کیونکہ کوٹھڑی کی اونچائی صرف ۳۰ ہاتھ تھی جیساکہ سلاطین اوّل باب ۶ آیت ۲ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر چھت کی بلندی ۱۲۰ ہاتھ کیونکر ہوسکتی ہے؟ آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہی، اور سریانی اور عربی مترجمین نے تحریف کی اور لفظ ایک سو اڑادیا، اور کہاکہ اس کی اونچائی بیس ہاتھ ہے۔

بنی بنیامین کی سرحد میں، نویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۸ آیت ۱۴ میں بنی بنیامین کی سرحد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:۔

"اور دریا کے سامنے[3] سے جھکتی اور مڑجاتی ہے"

اس میں دریا کے سامنے کا لفظ غلط ہے، کیونکہ ان کی حدیں دریا کا کنارہ نہیں تھا، اور نہ اُس کے آس پاس ہی تھا، مفسر ڈی آئی لی اور رچرڈ مینٹ نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور دونوں نے کہا ہے کہ:۔

"وہ عبرانی لفظ جس کا ترجمہ دریا کیا گیا ہے، اس کے معنی دراصل مغرب کے ہیں"

لیکن یہ معنی ہم نے کسی ترجمہ میں نہیں دیکھے، غالباً اصلاح کی غرض سے یہ دونوں صاحبوں کی ایجاد ہے،

یہوداہ کی حد، دسویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۱۹ آیت ۳۴ میں بنو نفتالی کی

[1] "اور اونچائی تیس ہاتھ تھی" (۶: ۲)

[2] یہ عربی سے ترجمہ ہی، موجودہ انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، مگر شاید اردو مترجم کو مفسر ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تاویل کی خبر ہوگئی ہوگی، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں "دریا" کے بجائے "مغرب" کا لفظ مذکور ہی، "مغرب کی طرف سے مڑکر جنوب کو جھکی" اور انگریزی ترجمہ میں اب بھی Sea کا لفظ موجود ہی، جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں West سے بدل جائے ۱۲ تقی

حد کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:۔

"مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یردن تک"۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہوداہ کی حد جنوب کی جانب بہت دور تک تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیساکہ باب۲ میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی

مفسر ہارسلے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۱۳ کی آیت ۷، ۸ دونوں غلط ہیں[1]،

بارہویں غلطی

کتاب القضاۃ کے باب۱۷ آیت ۷، میں ہے کہ:۔

"اور بیت لحم، یہوداہ میں یہوداہ کے گھرانے کا ایک جوان تھا، جو لاوی تھا، یہ وہیں لٹکا ہوا تھا"۔

اس میں لفظ "جو لاوی تھا" بالکل غلط ہے، کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لاوی کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ مفسر ہارسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور ہیوبی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کردیا ہے،

تیرہویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:۔

"اور ابیاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر جو زبردست سورما تھے صف آرائی کی"۔

پھر آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"اور ابیاہ اور اس کے لوگوں نے ان کو بڑی خونریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

---

[1] اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہوسکی ۱۲

اسرائیل کے پانچ لاکھ چُنے ہوئے مرد کھیت آئے "

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مترجمین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب باب ۲ میں[۱] قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا"

اس میں لفظ "اسرائیل" یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہودا کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا[۲]، اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ "اسرائیل" میں تحریف کر کے یہودا بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

پندرھویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"اور اس کے بھائی صدقیاہ کو یہوداہ اور یروشلم کا بادشاہ بنا دیا[۳]"

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح[۴] ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

---

[۱] دیکھئے ص ۶۴۰، مقصد (۱) شاہد (۱۸) [۲] دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸ : ۱ و ۲،

[۳] یعنی بنوکد نصر شاہ بابل نے یہویاکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا،

[۴] چنانچہ ۲ سلاطین ۲۴ : ۱۷ میں "اس کے باپ کے بھائی" کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہویاکین یہویقیم بن یوسیاہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیاہ یہویاکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہویقیم کہنا چاہیے تھا، حالانکہ اُسے صدقیاہ ابن یوسیاہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۲۶ : ۱ و ۲۷ : ۱)،

لفظ "بھائی" کو "چچا" سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

"چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو "چچا" کے لفظ سے بدل دیا گیا"

سولھویں غلطی سموئیل ثانی باب ۸ آیت ۱۶ و ۱۹ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اوّل کے باب ۱۸ کی آیت ۳ و ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ "ہدرعزر"[1] آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ "ہددعزر" دال کے ساتھ ہے،

سترھویں غلطی کتاب یوشع کے باب ۷ آیت ۱۸ میں لفظ "عکن" نون کے ساتھ آیا ہے حالانکہ صحیح لفظ "عکر"[2] را کے ساتھ ہے،

اٹھارھویں غلطی کتاب تواریخ اوّل کے باب ۳ آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ: "عمی ایل کی بیٹی بت سوع"[3] حالانکہ صحیح لفظ "العام کی بیٹی بت سبع"[4] ہے،

انیسویں غلطی کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ آیت ۲۱ میں لفظ "عزریاہ"[5] استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح لفظ "عزیا"[6] بغیر را کے ہے،

---

[1] یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

[2] (قبیلۂ یہوداہ کا ایک شخص) چنانچہ ۱۔ تواریخ ۲: ۷ میں "عکر" ہی مذکور ہے،

[3] "بت سبع" اوریا کی بیوی جس کے بارے میں توریت کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے ان سے (معاذ اللہ) زنا کیا، اور پھر اوریا کو مروا کر اس سے شادی کرلی، اور حضرت سلیمانؑ ان سے پیدا ہوئے ۱۲

[4] جیسے کہ ۲۔ سموئیل ۱۱: ۳ سے معلوم ہوتا ہے،

[5] یروشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

[6] جیسا کہ ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱، ۲۔ سلاطین ۱۵: ۱۳ و ۳۰ و ۳۲ و ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

بلیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب ۲۱ آیت ۱۷ میں لفظ "یہوآخز" واقع ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ "اخزیا"[1] ہے، ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد میں پہلے تو اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلطی نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے:

"اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ تفصیل سے جو صاحب جاننا چاہیں وہ ڈاکٹر کنی کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۶۲ ملاحظہ فرما سکتے ہیں"

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

یہویقیم قید ہوا یا مقتول
اکیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ بابل یہویقیم کو زنجیروں میں قید کرکے بابل لے گیا، جو بالکل غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یروشلم میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر پناہ سے باہر پھینک دی جائے، دفن کئے جانے کی قطعی ممانعت[2] کر دی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب ۱۰ باب ۶ میں لکھا ہے کہ:-

"بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہویقیم بھی تھا، اور

---

[1] جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۱ اور ۲- سلاطین ۸: ۲۵ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے (یہ شخص یہوداہ کا بادشاہ تھا) ۱۲

[2] یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے مشہور حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلا وطنی اس کے کچھ بعد عمل میں آئی ہے ۱۲

اور اس کی نعش شہر پناہ سے باہر پھنکوا دی، اس کا بیٹا یہو یاکین تخت نشین ہوا تو تین ہزار مردوں کو قید کیا جنہیں حزقیال پیغمبر بھی تھے "

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ
بائیسویں غلطی

کتاب یسعیاہ باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۶۷۱ء و سنہ ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ :-

"۶۵ سال بعد ارام[1] مٹ جائے گا "

ترجمہ فارسی مطبوعہ سنہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ :-

"۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جائے گا "

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاہ کی تخت نشینی کے چھٹے سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۷ و ۱۸ میں موجود[2] ہے، اس طرح ارام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں مٹ گیا۔

وٹ رنگا عیسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ :-

---

[1] یعنی سوریا (Syria) ہمارے پاس کسی ترجمہ میں "ارام" کا لفظ نہیں، بلکہ "افرائیم" ہے، "اور پینسٹھ برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہیگا " اس سے مقصود شاہ اسور (سلمنسر) کا حملہ ہے، جیسا کہ اسی باب کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے،

[2] "حزقیاہ کے چھٹے سال جو ہوسیع کا نواں برس تھا، سامریہ لیلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو اسیر کر کے اسور لے گیا" (۱۸: ۱۰، ۱۱)

[3] اس لئے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیاءؑ کی زبانی آخز کے زمانہ میں ہوئی تھی (یسعیاہ ۷: ۱) اور آخز کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہوسیع کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہے (۲۔ سلاطین، ۱۷: ۱) اور اس کی تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۸: ۱۰ کی مذکورہ عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے) لہذا پورے اکیس سال بنے، ۱۲ تقی

"یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہوگئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخز کی حکومت ۱۶ سال اور حزقیاہ کا دورِ سلطنت ۵ سال"۔

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب لیعیاہ کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے مترجم نے آیت مذکورہ نمبر ۸ میں تحریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جبلی عادت سے باز نہیں آتے

تیئیسویں غلطی
حضرت آدمؑ کو درخت کی ممانعت

کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۷ ایں ہے کہ "لیکن نیک و بد کی پہچان کا درخت کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا[1] تو مرا"۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا[2]، حالانکہ وہ کھانے کے دن نہیں مرے، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

چوبیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:-
"تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہی، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی"۔

اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی عمر ۶۰۰ سال، اور ارفخشذ کی عمر ۳۳۸ سال ہوئی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۷۰، ۸۰ تک پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

---

[1] بقول توریت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳:۳ سے معلوم ہوتا ہے۔
[2] پیدائش ۳:۶،

پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۱۷، آیت ۸ میں یوں ہے کہ:۔

"اور میں تجھ کو[1] اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں اُن کا خدا ہوں گا"

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیمؑ کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدّتِ مدید گذری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

یہودیوں کی جِلا وطنی
غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے:۔

"وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہویقیم بن یوسیاہ کے چوتھے برس میں جو شاہ بابل بنوکد نضر کا پہلا برس تھا، یہوداہ کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا"

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔

"یہ ساری زمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں ستّر برس تک شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب ستّر برس پورے ہوں گے تو میں شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب سے سزا دوں گا، اور میں اُسے ایسا اُجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ ویران رہے" (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ:۔

"اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر ہو گئے تھے اور کاہنوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنوکد نضر یروشلم سے

[1] یہ خدا کا حضرت ابراہیمؑ کو خطاب ہے،

اسیر کرکے بابل لے گیا تھا، (اس کے بعد کہ یکونیاہ بادشاہ[1] اور اس کی والدہ اور خواجہ سرا اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کاریگر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے)" (آیات ۱ و ۲)

پھر اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:۔

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤنگا اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا"

یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:۔

"بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من برشما رجوع خواہم کرد"۔

ترجمہ:۔ "بابل میں ستر سال گذر جانے کے بعد میں تمھاری طرف رجوع کروں گا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ:۔

"بعد از تمام شدن ہفتاد سال در بابل شمارا باز دید خواہم نمود"	"بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد میں دوبارہ تمہاری طرف رُخ کروں گا"

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بنوکدرضر اسیر کرکے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تیئیس یہودی بنوکدرضر کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں سے آٹھ سو بتیس آدمی اسیر کرکے لے گیا، بنوکدرضر کے تیئیسویں برس میں جلوداروں کا سردار نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کرلے گیا، یہ سب آدمی چار ہزار چھ سو تھے" (آیات ۲۸ تا ۳۰)

[1] یہ یکونیاہ بن یہویقیم ہے جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۴:۱)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں :۔

(۱) بخت نصر یہویاقیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا، اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب ۱۰ میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ :۔

"بخت نصر یہویاقیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا"

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاہ علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہویاقیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

(۲) ارمیاہ علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یکونیاہ بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

(۳) تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی کل تعداد چار ہزار چھ سو تھی نیز تیسری جلاوطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں :۔

۱۔ یکونیاہ بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور کاریگروں کی جلاوطنی مؤرخین کی تصریح کے مطابق ولادت مسیحؑ سے پانچ سو ننانوے سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہے کہ یہ جلاوطنی مسیحؑ کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور ارمیاہ علیہ السلام کا ان کے پاس کتاب بھیجنا اُن کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بائبل کی رُو سے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہیئے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خورس کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال[1] ہوتی ہے نہ کہ ۷۰ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الی کتاب المقدس الثمین مطبوعہ ۱۸۵۲ء بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ[2] ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخی جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے:-

سنہ قبل میلاد مسیح	واقعات	دنیا کا سال
۵۹۹	ارمیاء علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے	۳۴۰۵
۵۳۶	دارا یوس کی وفات جو قورش کا ماموں تھا، اور قورش کا اس کی جگہ مادی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہونا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے یہوداہ واپس چلے جانے کی اجازت دینا،	۳۴۶۸

۲- دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار

[1] یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۶۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیئے جائیں تو ۶۳ بچتے ہیں، اور ۶۰۰ سے تفریق کی جائے تو چونسٹھ، ۱۲

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بداہۃً غلط ہے، صحیح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صناع کاریگر اُن کے علاوہ تھے[1]،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری[2] جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیئیسویں سال پیش آئی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اُنیسویں سال واقع ہوئی[3]،

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیشگوئی، انتیسویں غلطی

کتاب حزقیایل کے باب ۲۶ میں ہے کہ:۔

"اور گیارھویں برس میں مہینہ کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا"

پھر آیت نمبر ۷ میں ہے:۔

"خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنوکدرضر کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں، اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انبوہ کے ساتھ شمال سے صور[4] پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے اردگرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دمدمہ باندھے گا، اور تیری مخالفت میں ڈھال اُٹھائے گا، وہ اپنی منجنیق کو تیری شہر پناہ پر چلائے گا: اور اپنے تبروں سے تیرے

---

[1] "اور وہ سارے یروشلم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور لُہاروں کو اسیر کر کے لے گیا" (۲۔سلاطین ۲۴: ۱۴)

[2] یعنی بنوزرادان والی ۱۲

[3] "اور شاہ بابل بنوکدنضر کے عہد کے اُنیسویں برس کے پانچویں مہینہ کے ساتویں دن" الخ (۲۵: ۸)

[4] صور Tyre ازمنہ قدیم کا ایک ساحلی شہر جو سوریا کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب دفاعی اعتبار سے انتہائی مضبوط تھا، آجکل یہ علاقہ لبنان کے حدود میں واقع ہے ۱۲ تقی

برجوں کو ڈھا دے گا، (اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب سے اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے چھپا لے گی، جب وہ تیرے پھاٹکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنہ کرکے شہر میں گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز سے تیری شہر پناہ ہل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سموں[1] سے) تیری سب سڑکوں کو روند ڈالیگا، اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے اور وہ تیری دولت لوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر پناہ توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے۔"

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا، اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس[2] ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیایل کو عذر کی ضرورت پیش آئی اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں[3] فرمایا کہ:

"ستائیسویں برس کے پہلے مہینہ کی پہلی تاریخ کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے آدم زاد! شاہ بابل نبوکدرضر نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت کروائی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اُس نے اور نہ اُس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

---

[1] قوسین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۲

[2] چھٹی صدی قبل مسیح میں دیکھئے برٹانیکا، ص ۶۵۳ ج ۲۲ مقالہ (Tyre)،

[3] آیات ۱۷ تا ۲۰،

کی تھی کچھ اُجرت پائی، اس لئے خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں ملکِ مصر شاہِ بابل بنوکدرضر کے ہاتھ میں کر دوں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جائے گا، اور اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لیگا، اور یہ اُس کے لشکر کی اُجرت ہوگی میں نے ملکِ مصر اس محنت کے صلہ میں جو اُس نے کی اُسے دیا"

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ بخت نصر اور اس کے لشکر کو صور کے محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندۂ ایفاء ہوا؟[1] یہ بات بہت ہی افسوسناک ہے، کیا خدائی وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیشگوئی
غلطی نمبر ۳۰

کتاب دانی ایل کے باب ۸ آیت ۱۳ کے فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں ہے کہ:-

"پس شنیدم کہ مقدسے تکلم نمود، و مقدسے از آں مقدس پرسید کہ ایں رؤیا در باب قربانی دائمی و گنہگاری مہلک بہ پائمال کردن مقدس و فوج تاکے باشد، مرا گفت تا دو ہزار و سہ صد روز بعدہٗ مقدس پاک خواہد شد"

ترجمہ:- "تب[2] میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سُنا اور دوسرے قدسی نے اسی قدسی سے

---

[1] غالب یہی ہے کہ شرمندۂ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ بنوکدنضر کے حالاتِ زندگی میں ۵۶۸ ق م کے حملہ مصر کا ذکر تو ملتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملہ یروشلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر پر کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

[2] یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آرہا ہے، وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ تقی

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائمی قربانی اور ویران کرنے والی خطا کاری کی رؤیا جس میں مقدس اور اجرام پامال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دو ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا۔

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یہ الفاظ ہیں:۔

"وسمعت قدیسًا من القدیسین متکلمًا وقال قدیس واحد للآخر المتکلم لم اعرفہ حتی متی الرؤیا والذبیحۃ الدائمۃ وخطیئۃ الخراب الذی قد صار ویدس القدس والقوۃ فقال لہ حتی المساء والصباح ای الفین وثلثمائۃ یوم ویطھر القدس"

ترجمہ:۔ "اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بات کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور دائمی قربانی اور تباہ کن گناہ جس میں قدس اور فوج پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا"

علماء یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشنگوئی کے مصداق کے بارے میں سخت حیران ہیں، دونوں فریق کی بائبل کے تمام مفسرین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کا مصداق انٹیوکس شاہ روم کا واقعہ ہے، جو یروشلم پر ۱۶۱ ق م میں مسلط ہو گیا تھا، اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسر یوسیفس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج پامال ہوگی وہ ساڑھے تین سال رہا، جس کی تصریح یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵ باب ۹ میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۱۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحٰق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثۂ انیتوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے،

تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشینگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۰۳ء کی جلد اوّل میں پہلے جمہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انتیوکس کا حادثہ کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپائیں

سنل جانسی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں پر لکھی ہے، اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں پچاسی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشینگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے[1]:-

"اس پیشینگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے علماء کے نزدیک بڑے اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانہ کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے، جس میں شاہانِ ایران کے چار فرامین صادر ہوئے:-

۱- ۶۳۶ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا فرمان صادر ہوا تھا،

۲- ۵۱۸ ق م کا زمانہ، جس میں دارا کا فرمان جاری ہوا،

---

[1] سنل جانسی کی آنے والی عبارت کا حاصل جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہو کہ اس کے نزدیک کتاب دانی ایل کی مذکورہ بالا پیشینگوئی میں حضرت مسیح کے نزول ثانی کا وقت بتایا گیا ہو، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہو کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جانا چاہتے جس میں یروشلم اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۲ تقی

۳۔ ۴۵۸ ق م کا عہد جس میں اردشیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزرا کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ ۴۴۴ ق م کا زمانہ جس میں اردشیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منتہیٰ مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے:۔

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۱۷۶۴ء، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۱۸۸۲ء،
نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۱۸۴۳ء، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۱۸۵۶ء

اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری چوتھی باقی ہے جس میں تیسری مدت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک تو یقینی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا منتہیٰ ۱۹۶۶ء نکلتا ہے"

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے:۔

(۱) یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعیین دشوار اور مشکل ہے بالکل غلط ہے، اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتدا یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔

(۲) یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ "یوم" کے حقیقی معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہدِ عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ "یوم" استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر بھی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا، جس کے لئے کوئی قرینہ ضرور ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنیٰ کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنیٰ پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے، اس لئے جمہور نے اس کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بنانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحٰق نیوٹن، طامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو (جن میں یہ مفسر بھی شامل ہے) پیش آئی۔

③ اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا جیسا کہ خود اس کا اقرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا ہے جس پر اس کو کامل وثوق اور یقین تھا، اسی طرح چوتھی توجیہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور باطل ہونے میں جمہور متقدمین کی توجیہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے[1]، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قول ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لیں گے،

---

[1] یعنی ۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے ۱۲ تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنھوں نے ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۸ھ میں شہر لکھنؤ میں اس پیشینگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز دانیالؑ کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد سال ہیں، اور دانیال علیہ السلام کی وفات ۴۵۳ ق م میں ہوئی ہے، پھر جب ہم ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹادیں تو ۱۸۴۷ رہ جاتے ہیں، اس بنا پر نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ۱۸۴۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علمائے اسلام کے درمیان مناظرہ بھی ہوا، بہرحال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعوے کا جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ ۷۰ سال کی مدت گذر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ تشریف نہیں لائے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلا وجہ بات کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو "دخترِ رز" کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو، جس کو انھوں نے الہام قرار دیدیا۔

ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

"اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی تکمیل سے پہلے بہت ہی دشوار اور مشکل ہی، پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے"

یہ توجیہہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ ہر بدکار اور فاسق کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کرسکے، جن میں ان کے آغاز و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہوگی تو واقعات خود اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بیچارے قطعی معذور ہیں، اس لئے کہ بات

جڑ سے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کرسکتا ہے،

غلطی نمبر ۳۱

کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

"اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے، مبارک ہے[1] وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس[2] روز تک انتظار کرتا ہے"

یہ بھی گذشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس میعاد پر نہ تو عیسائیوں کا مسیح نمودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب دانیال کی ایک اور غلط پیشینگوئی، غلطی نمبر ۳۲

کتاب دانیال باب ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راستبازی قائم ہو، رؤیا و نبوت پر مہر ہو اور پاک ترین مقام ممسوح کیا جائے"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

"ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطاء و برائے انقضاء گناہان و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے اختتام رؤیا و نبوت و برائے مسح قدس القدس"

[1] مفسرین کے نزدیک یہ "آمدِ مسیح" کی خوش خبری ہے ۱۲

[2] اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ظہور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

ترجمہ: تیری قوم اور مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر ہوئے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگذر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز ابدی سچائی پہنچانے اور خواب و نبوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسح کے لئے"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مدتِ مقررہ میں بھی دونوں مسیحوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسیح تو آج تک ظاہر نہ ہو سکا، حالانکہ اس مدت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو تکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابلِ التفات ہیں:۔

(۱) لفظ "یوم" کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنی پر محمول کرنا بغیر کسی قرینہ کے ناقابلِ تسلیم ہے،

(۲) اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں مسیحوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورس کی تخت نشینی کے پہلے سال (جس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیساکہ کتاب عزرا باب ا میں تصریح ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسیفس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تخمیناً ۶۰۰ سال ہے، اور سنل جانسی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیساکہ غلطی نمبر ۳۰ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیساکہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جزء ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیکل میں قربانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۵۳۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ ستر ہفتوں کی مقدار صرف

چار سو نوّے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیحؑ پر نبوت کا اختتام لازم آتا ہے، لہٰذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہوداہ اسکریوتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے[1]، (جو روح القدس سے لبریز" انسانوں میں سے ایک تھا)

(۴) چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑیگا حالانکہ رؤیائے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

(۵) واٹسن نے اپنی کتاب کی جلد ۲ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

"یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تحریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام پر کسی طرح صادق نہیں آسکتی"

غور فرمائیے "جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے"۔ عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتاب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تحریف کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے) عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پروٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

---

[1] یہوداہ اسکریوتی وہ شخص ہے جس نے حواری ہونے کے باوجود (بقول انجیل) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوا دیا تھا، (متی ۲۶: ۴۷)

دعویٔ تحریف باطل ہے، جب اصل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کئے ہوئے تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۶) مسیح سے مراد ان ہی دو مسیحوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکردار ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱۷، آیت نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

"وہ اپنے بادشاہ کو بڑی نجات عنایت کرتا ہے، اور اپنے ممسوح داؤد اور اس کی نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے"

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۱ میں لفظ "مسیح" کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا قول ساؤل[1] کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:

"اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خدا کا مسیح ہے، یا اُسے قتل کرنے کے لئے دست درازی کروں، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے" (آیت ۶ و ۱۱)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب ۱ میں بھی اس قسم کا اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

---

[1] اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں "طالوت" مذکور ہے، اس بات پر تورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ خود اللہ تعالیٰ نے نامزد کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات سے قرآن کریم خاموش ہے، اور تورات نے اس کی نافرمانیاں ذکر کی ہیں، اور یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا کر (معاذ اللہ) پچھتایا (۱۔ سموئیل ۱۵: ۱۰، ۱۱)

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے :-

"خداوند اپنے مسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا"

اس عبارت میں "مسیح" کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور ہیکل بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنو اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۲

کتاب سموئیل ثانی باب ۷، آیت ۱۰ میں حضرت ناتن علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے :-

"اور میں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ مقرر کروں گا، اور وہاں ان کو جماؤں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر ہٹائے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند اُن کو پھر دُکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں" (آیت ۱۰-۱۱)

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں :-

"و مکانے نیز برائے قوم خود اسرائیل مقرر خواہم کرد وایشان را خواہم نشانید تا خود جائے دار باشند و من بعد حرکت نہ کنند، و اہلِ شرارت من بعد ایشان را نیازارند چوں در ایام سابق"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے الفاظ یہ ہیں :-

"و بجہت قوم اسرائیل مکانی را تعیین خواہم نمود وایشان را غرس خواہم نمود تا آنکہ در

مقام خویش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، و فرزندانِ شرارت پیشہ ایشان را مثل ایام سابق نرنجانند"

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے اور شریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ اُن کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر اُن کو بے انتہا ستایا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ اُن کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور جلا وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی اُن کو اذیت پہنچائی، طیطوس شاہ روم[1] نے تو اُن کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پھانسی دیئے گئے، ننانوے ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطرافِ عالم میں ذلیل و خوار پھر رہی ہیں،

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،

مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت نمبر ۱۲ میں حضرت ناتن علیہ السلام کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے:-

"اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائیگا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

[1] Titus شاہ روم (سنہ ۷۹ء تا سنہ ۸۱ء) اس نے ستمبر سنہ ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ کے بعد یروشلم فتح کیا تھا، اور تباہی مچادی تھی ۱۲

قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کروں گا۔ اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطا کرے تو میں اسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا، پھر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساؤل[ل] سے جُدا کیا، جسے میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا" (آیات ۱۲ تا ۱۶)

اس کے علاوہ کتاب تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"دیکھ تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا، وہ مرد صلح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن وامان بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھوں گا" (آیات ۹ و ۱۰)

گویا خدا کا وعدہ یہ تھا کہ داؤدؑ کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت تک نہیں نکلے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہوسکا، اور اولاد داؤدؑ کی بادشاہت عرصہ دراز ہوا کہ مٹ چکی ہے:

غلطی نمبر ۳۵ عیسائیوں کے مقدس پولس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا قول یوں نقل کیا ہے کہ:-

ل یعنی طالوت ۱۲

"میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔"[1]

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۷، آیت ۱۴ کی جانب ہے (جو سابقہ غلطی میں نقل کی جا چکی ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

(۱) کتاب تواریخ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام "سلیمان" ہوگا،

(۲) دونوں کتابوں میں تصریح پائی جاتی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمانؑ کے اور کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک ہزار تین سال بعد پیدا ہوئے، جو اس کے ویران ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۴ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹۷ میں معلوم ہو جائیگا،

(۳) دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف عیسیٰؑ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔" (متی ۸: ۲۰)

(۴) سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

"اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا۔"

---

[1] پولس کی پوری عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰؑ کو فرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا ہے "کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا، اور پھر یہ کہ میں اس کا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔"

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انھوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بُت پرستی بھی کی، اور بُت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصب نبوت کے اشرف مقام سے گر کر شرک کی ذلّت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہے[۱]، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسیٰؑ معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق اُن سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تواریخ اوّل میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

"مرد صلح ہوگا اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا"

عیسیٰؑ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب و روز یہودیوں کی ہول اُن پر سوار رہتی تھی، عموماً اُن کے خوف کی وجہ سے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سُولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:-

"میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا"

غور کیجئے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں رومیوں کے غلام اور اُن کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے۔

---

[۱] ملاحظہ فرمائیے، ۱- سلاطین باب ۱۱ و نحمیاہ ۱۳: ۲۶،

⑦ سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہے، اس کی تصریح کتاب تواریخ ثانی باب ۶ میں موجود ہے، [1]

اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمانؑ کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اُترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر بھی کرلی جائے تب بھی متأخرین جمہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے[2] لئے جو متی اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ متی، یوسف نجار کا نسب بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے نہیں ہوسکتے، اور اُن کی نسبت اُن کی جانب محض بیہودہ اور بے اصل خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہوسکتے، بلکہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں اس لئے

---

[1] خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا ٹھانا، تو بھی اس گھر کو نہ بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا وہی میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں" (۲۔ تواریخ ۶: ۹ و ۱۰)　[2] اس کی تفصیل ص　پر گذر چکی ہے ۱۲

جو پیشنگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوئی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہوسکتی،

کوّے یا عرب؟ غلطی ۳۶

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۷ میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :۔

"اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا رخ کر، اور کریت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی نالے میں سے پینا، اور میں نے کوّوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جا کر خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریت کے نالے کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کوّے اس کے لئے صبح کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لاتے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا"

سوائے جیروم کے تمام مفسرین نے لفظ "اوریم"[1] کی تفسیر کوّوں کے ساتھ کی ہے، البتہ جیروم نے "عرب" کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تحریف کی، اور لفظ "عرب" کو کوّوں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملّتِ عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقہ پروٹسٹنٹ کا محقق ہورن حیران ہے، اور ندامت دور کرنے کے لئے جیروم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظن غالب کے طور پر کہتا ہے کہ "اوریم سے مراد عرب ہے نہ کہ کوّے"، اور تین اسباب کی بنا پر اس نے مفسرین اور مترجمین کو احمق قرار دیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

[1] اصل عبرانی متن میں کوّوں کی بجائے "اوریم" کا لفظ ہے ۱۲

جلد اوّل کے صفحہ ۶۳۹ پر کہتا ہے :۔

"بعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہوسکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں؟ لیکن اگر وہ اصل لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ "اوریم" ہے، جس کے معنی "عرب" ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۲۱ میں، اور کتاب نحمیاہ کے باب ۴ آیت ۷ میں استعمال ہوا ہے، نیز برِیشت ربا سے (جو علماءِ یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک بستی میں جو بتشان کے علاقہ میں تھی مخفی رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، جیروم کہتا ہے کہ "اوریم" اُس بستی کے باشندے ہیں جو حدودِ عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، جیروم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ "کوّے" لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیاہ اور جیروم نے "اوریم" کا ترجمہ "عرب" سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوّے، یہودی مفسر مشہور جارچی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلافِ شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور روٹی پہونچایا جائے جو اتباعِ شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مُردار جانور پر نہیں اُترے، اس کے علاوہ اس قسم کی روٹی اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہونچائی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوّوں کی طرف کیسے منسوب

کیا جاسکتا ہے؟ غالب یہی ہے کہ "ادرب" یا "اربو" کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے"

اب ہماری جانب سے علماء پروٹسٹنٹ کو اختیار ہے، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کرکے بیشمار مفسرین اور مترجمین کو احمق قرار دیں، اور چاہیں تو دوسروں کو بیوقوف بنانیوالے اس محقق کو بیوقوف مانیں اور اعتراف کریں کہ یہ بات قطعی غلط اور عقلاء کی ہنسی کا سبب ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجوہ کی بناء پر ناممکن ہے،

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کب شروع کی؟ غلطی نمبر ۷۳،

کتاب سلاطین اوّل باب ۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ "اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسی ویں سال اسرائیل پر سلیمان کی سلطنت کے چوتھے برس زیو کے مہینہ میں جو دوسرا مہینہ ہے ایسا ہوا کہ اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا"

یہ بات مؤرخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"مؤرخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا ہے متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۴۰، کلیکاس کے نزدیک ۳۳۰، ملکیور کانوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفس کے نزدیک ۵۹۲، سلپی سیوس سویروس کے نزدیک ۵۸۸، کلیمنس اسکندریانوس کے نزدیک ۵۷۰، سیدرنیس کے نزدیک ۶۷۲، کودومانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسی یوس و وکایانوس کے نزدیک ۵۸۰، سراریوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم کے نزدیک ۵۲۷، مستلی نوس کے نزدیک ۵۹۲، پتیاویوس و والتھی رڈس کے نزدیک ۵۲۰

پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ادھر یوسیفس اور کلیمنس اسکندریانوس دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ وقیع نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیحؑ کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸

انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱۷ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء کی رُو سے مذکور ہے:-

"پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں، اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوتیں ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ مسیحؑ کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۴ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داؤدؑ پر ہوتی ہے جب داؤدؑ اس قسم میں داخل ہیں تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوئے، اور دوسری قسم کی ابتدا سلیمانؑ سے ہوگی، جو یکنیاہ پر ختم ہو جائے گی، اور جب یکنیاہ اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتدا سیالتی ایل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پشتیں ہوں گی[1]۔

---

[1] اگر یکنیاہ کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلۂ نسب یہ ہے: سیالتی ایل، زربابل، ابی ہود، الیاقیم، عازور، صدوق، اخیم، الیہود، الیعزر، متان، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر یکنیاہ کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کُل تیرہ پشتیں رہ جاتی ہیں ۱۲ تقی

اس چیز پر اگلوں پچھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، پورفری نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بودے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابلِ التفات ہیں،

حضرت مسیح کے نسب میں چار غلطیاں اور کھلی تحریفیں غلطی ۳۹ تا ۴۲

انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:۔

"اور بابل کی جلاوطنی میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے"

اس سے معلوم ہوا کہ یکنیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوئی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلاوطنی میں زندہ ہو حالانکہ یہ چار وجوہ سے غلط ہے:

(۱) یوسیاہ اس جلاوطنی سے ۱۲ سال قبل وفات پاچکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تختِ سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہویقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہویقیم کا بیٹا یکویناہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلاوطن کیا،[1]

(۲) یکنیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

(۳) یکنیاہ کی عمر[2] جلاوطنی کے وقت ۱۸ سال تھی، پھر بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں

---

[1] دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۳۵: ۲۳ و ۳۶: ۱ و ۲ و ۵ و ۹، و ۲ سلاطین ۲۳: ۳۰ و ۳۱ و ۳۶ و ۲۴: ۸،

[2] یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا" (۲۔ سلا، ۲۴: ۸) واضح رہے کہ یہویاکین ہی کا دوسرا نام یکنیاہ ہے (یرمیاہ ۲۲: ۲۴)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ؟

(۴) یکو نیاہ کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں ان کے باپ کے تین بھائی ضرور تھے،

ان مشکلات کے پیشِ نظر جن کا اس غلطی میں اور گذشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے، آدم کلارک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ :۔

"کامتھ کہتا ہے کہ آیت ۱۱ کو اس طرح پڑھا جائے کہ یوسیاہ کے یہویقیم اور اس کے بھائی پیدا ہوئے، اور یہویقیم سے یکونیاہ بابل کی جلاوطنی کے وقت پیدا ہوا"

دیکھئے کس طرح تحریف کا حکم دیا جارہا ہے[۵]، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہویقیم

---

[۵] چنانچہ بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کرلی گئی ہے، کامتھ صاحب نے مشورے دیئے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہویقیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ "جلاوطنی میں" کے بجائے "جلاوطنی کے وقت" کر دیا جائے ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی بڑی غیر محسوس ہے، لہٰذا اس وقت جتنے تراجم ہمارے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں: "اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں" اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کرکے بات اس حد تک پہنچادی کہ مصنفؒ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑسکے، ملاحظہ ہوں اُن کے الفاظ:۔

"and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon."

"یعنی یوسیاہ کے ہاں یکونیاہ اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ انھیں بابل لیجایا گیا" ملاحظہ فرمایئے اس میں "قریب قریب" کا لفظ بڑھا کر بائبل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے! اور ۱۹۶۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقہ سے اس مشکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon."

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تحریف کے باوجود اعتراض نمبر۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دُور نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض "دیانتدار" پادریوں نے لفظ یہویقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جائے کہ جب مسیحؑ یہویقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے[1]، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے، مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ متی کے اوپر اغلاط کا واقع ہونا اس قباحت کے مقابلہ میں سہل ہے،

غلطی نمبر ۴۳ یہوداہ[2] سے سلمون[3] تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلمون سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن متی نے پہلے زمانہ میں سات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۸) یعنی "اور یوسیاہ بابل کی جلاوطنی کے وقت یکونیاہ کا باپ تھا" لیجئے یہ جھگڑا ہی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا، بس یوسیاہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ ہے وہ کلام جس کے بارے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک ایک بات کو درست مانو۔ ــــــ لیکن ایک غریب عامی آدمی کو (جو یونانی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں) اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان "مقدس باپوں" کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہئے کہ ع

"جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے"

[1] کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۳۶ میں تصریح ہے کہ "شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۱۲

[2] یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۱۲

[3] یہ سلمون بن نحسون ہیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے پھوپا تھے (خروج ۶: ۲۳)

پشتیں[1] اور دوسرے میں پانچ لکھی ہیں[2]، جو بداہتہً غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۴۴ وہ تین اقسام جن کو متی نے[3] ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مقدار ۱۸ ہے، نہ کہ ۱۴، جیساکہ کتاب[4] تواریخ اوّل کے باب ۳ سے واضح ہوتا ہے، اسی بنا پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہبِ عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۴ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۴۵ و ۴۶ انجیل متی باب ۱ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

"یورام سے عزیا پیدا ہوا" یہ بات دو وجہ سے غلط ہے:۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عزیا بن اخزیا بن یوآس بن امصیاہ بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئیں،

---

[1] یہوداہ، فارص، حصرون، رام، عمیناداب، نحسون، سلمون،

[2] سلمون، بوعز، عوبید، یسی، داؤد علیہ السلام،

[3] یعنی حضرت مسیح کے نسب کی، ایک حضرت داؤدؑ تک، دوسری آپ سے بابل کی جلاوطنی تک، اور تیسری حضرت مسیح تک،

[4] اس کی رُو سے حضرت داؤد سے یکونیاہ تک کا نسب حسب ذیل ہے:۔ داؤد، سلیمان، رحبعام، ابیاہ، آسا، یہوسفط، یورام، اخزیاہ، یوآس، امصیاہ، عزریاہ، یوتام، آخز، حزقیاہ، منسی، امون، یوسیاہ، یہویقیم، یکونیاہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۴ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاہ، یوآس، امصیاہ، یہویقیم کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہو کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے مٹائے بغیر اُسے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں، جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ و ۱۲ و ۱۴ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۴ و ۲۵ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس لئے کہ جب کوئی مؤرخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پشتیں گذری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہواً یا قصداً چھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ اس نے حماقت اور غلطی کی ؟

(۲) اس کا نام "عزیاہ" ہے نہ کہ "عوزیا"[1] جیسا کہ کتاب تواریخ اول باب ۳ میں، اور کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے،

غلطی نمبر ۴۷

انجیل متی باب ۱ آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ:-

"سیالتی ایل سے زربابل پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں ہے کہ وہ فدایاہ کا بیٹا اور سیالتی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اول کے باب ۳ میں موجود ہے[2]،

غلطی نمبر ۴۸

انجیل متی باب ۱ آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

"زربابل سے ابی ہود پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب ۳ میں موجود ہے[3]، ان میں کوئی بھی اس

---

[1] اب اردو ترجمہ میں "عزیاہ" ہی کر دیا گیا ہے،

[2] آیت ۱۷ تا ۱۹، کیونکہ اس میں سیالتی ایل اور فدایاہ کو یکونیاہ کا بیٹا کہا ہے، اور پھر فدایاہ کے بیٹوں میں زربابل کو شمار کیا ہے ۱۲

[3] آیت ۱۹ و ۲۰: "زربابل کے بیٹے یہ ہیں: مسلام اور حنانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھی، اور حسوبہ اور اہل اور برکیاہ اور حسدیاہ اور یوسحسدیہ پانچ" ۱۲

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو متی سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آئی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اول میں اس کے اور لوقا کے اختلافات[1] پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۷ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

غلطی نمبر ۴۹ متی نے اپنی انجیل کے باب ۲ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھکر وہ یروشلم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

لیکن یہ واقعہ غلط ہے، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض دُمدار ستاروں کی حرکت مغرب سے مشرق کو، اسی طرح بعض دُمدار ستاروں کی حرکت مشرق سے مغرب کو ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر جھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت اللحم[2]، یروشلم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض دُمداروں کی حرکت کا دائرہ تھوڑا سا شمال سے جنوب کو مائل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور خفیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفروں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر خفیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتدبہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

---

[1] ص ۴۷۹ تا ۴۸۱ پر ملاحظہ فرمائیں،

[2] جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۲

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کا رُکنا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ خود کھڑا ہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے[۱]،

حضرت اشعیاءؑ کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ "علمہ" کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰،

انجیل متی کے باب اوّل[۲] میں اس طرح ہے کہ:-

"اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے"

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیاء علیہ السلام ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے باب ۷ آیت ۱۴ میں اس طرح کہا ہے کہ:-

"لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی"

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:-

① یہ کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیاء کے مترجمین نے "کنواری" سے کیا ہے وہ "علمۃ" مونث ہے جس میں تاء تانیث کی ہے، علماءِ یہود کے نزدیک

---

[۱] لیکن یہ اعتراض ہماری رائے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا "ارہاص" کے طور پر اگر ایک نبی کے لئے یہ خلاف عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

[۲] آیت ۲۲، واضح رہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہو کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح ہیں ۱۲

اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب[1] ۳۰ میں بھی آیا ہے، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو، اشعیاء علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ "علمہ" آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکوئیلا اور تھیوڈوشن اور سمیکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے اُن کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۷۵ء میں اور تیسرا ۲۰۰ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر تھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماء یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے،

فری اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پروٹسٹنٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فری کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔

لیکن اس کی بات اوّل تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ "اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں" اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

(۲) عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کسی شخص نے "عمانوئیل" کے نام سے نہیں پکارا، نہ باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

[1] شاید آیت ۲۳ مراد ہے، اس میں ہے: "اور نامقبول عورت سے جب وہ بیاہی جائے" ۱۲

آپ کے باپؑ سے خواب میں کہا تھا کہ: "اس کا نام یسوع رکھنا" جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے[2]،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ،

"تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا"

اس کی تصریح لوقا[3] کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمانوئیل ہے،

(۳) وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ ارام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ فقح، آخز بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیاءؑ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ آخز کی تشفی کے لئے یہ کہئے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور اس بچہ کے سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زیر و زبر ہوجائیگی[4] اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فقح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور اس کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جائے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] یعنی یوسف نجار،　　[2] متی، ۱: ۲۱،

[3] لوقا ۱: ۳۱،　　[4] دیکھئے یسعیاہ ۷: ۱ تا ۱۷،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۲۱۷ سال بعد عالم وجود میں آئے،

اہلِ کتاب خود اس پیشنگوئی کے مصداق میں مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشعیاءؑ کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے، اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی، اور ایک لڑکا جنے گی، اور جن دو پادشاہوں سے لوگ لرزہ براندام ہیں ان کی سلطنت اس بچہ کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جائے گی، جیسا کہ اس کی تصریح ڈاکٹر بنسن نے کی ہے، واقعی یہ رائے قابلِ قبول ہے، اور قیاس کے قریب ہے،

غلطی نمبر ۱۵ اور کھلی تحریف

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہے کہ "اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خداوند[۵۱] نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا"

نبی سے مراد یوشع علیہ السلام[۵۲] ہیں، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب ۱۱ کی آیت (۱) کی جانب اشارہ کیا ہے جو قطعی غلط ہے، اس لئے کہ اس آیت کو عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت اس طرح ہے:

"جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو مصر سے بلایا"

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں موجود ہے، لہٰذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

---

[۵۱] یعنی یوسف نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہ کردے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے ۱۲

[۵۲] سب نسخوں میں ایسا ہی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں، حضرت ہوسیع علیہ السلام ہیں انہی کی کتاب میں آئندہ آنے والا جملہ درج ہے

اظہار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغۂ جمع کو مفرد سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ "میں نے اپنے بیٹے کو بلایا" اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء نے یہی تحریف کی ہے[1]،

لیکن اس کی خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا اُن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ[2]

"جس قدر اُن کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انھوں نے بعلیم کے لئے قربانیاں گذرانیں"

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ اُن یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی (جبکہ بابل کی قید سے آزاد ہوئے) بُت پرستی سے پکی توبہ کر چکے تھے، پھر انھوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا
غلطی نمبر ۵۲

انجیل متی باب ۲ آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ:

"جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی"

---

[1] اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہمارے پاس سب ترجموں میں "اپنے بیٹے" کے الفاظ ہیں ۱۲　　[2] ہوسیع ۱۱: ۲،

یہ بات بھی عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان علماء یہود نے جو ہیرودیس کے عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا شرمناک عیب ہے، اگر اس کی اصل و بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ دوڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں نمک مرچ لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاق سے کوئی عیسائی مورخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یروشلم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسرے کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے[لہ]، اور ٹھہرے تھے، اور کس کس کے لئے ہدیئے اور نذرانے لائے تھے؟ معصوم بچوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

غلطی نمبر ۵۳

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۷، میں یوں ہے کہ:۔

"اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ

لہ اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انھیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جائے تو ہمیں خبر کرنا ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب مجوسی اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا،

رامہ میں آواز سنائی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راخل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں "

یہ بھی قطعی غلط ہے اور صاحبِ انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب ارمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات کا مطالعہ[1] کرے گا وہ بآسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ سے نہیں ہے، بلکہ بخت نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کرکے بابل کی جانب جلاوطن کئے گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راحیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی روح عالم برزخ میں رنجیدہ ہوئی، اسی بنا پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دے گا۔

ایک خاص نکتہ ارمیاہ کی تحریر اور صاحب انجیل کی تصدیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مُردوں کو عالمِ برزخ میں اپنے رشتہ داروں کے حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور ان کے مصائب و تکالیف کا حال معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقہ پروٹسٹنٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔

غلطی نمبر ۵۴ انجیل متی کے باب ۲ آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:-

" اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا[2]، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

---

[1] مثلاً: اور خداوند فرماتا ہے تیری عاقبت کی بابت امید ہے کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حدود میں داخل ہوں گے (یرمیاہ ۳۱: ۱۷)

[2] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"

یہ بھی قطعی غلط ہی، یہ بات کسی بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیساکہ یوحنا کی انجیل باب ۷ آیت ۵۲ میں صاف[1] لکھا ہے، مسیحی علماء اس سلسلہ میں کمزور اور بودے عذر و بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں[2] ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

حضرت یحییٰؑ کب تشریف لائے؟ غلطی نمبر ۵۵

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۴ء و ۱۸۸۰ء میں اس طرح ہے:۔

"وفی تلك الایام جاء یوحنا المعمدان یکرز فی بریة الیهودیة،"

"ان[3] دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا،"

اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء میں اس طرح ہے:۔

"اندراں ایام یحییٰ تعمید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت،"

---

[1] انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کر اور دیکھ کہ گلیل میں سے کوئی نبی برپا نہیں ہونے کا" (یوحنا: ۵۲)

[2] ماضی قریب کے مفسرین میں سے آر، اے ناکس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کر کے لکھتا ہے "حقیقت یہ ہو کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو کہ وہ ناصری ہوگا" (تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جلد اول)

[3] یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں ۱۲

"انہی دنوں میں یحییٰؑ بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا"

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہو گیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزادے کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آگئے، اور ناصرہ میں جا بسے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں "ان دنوں" سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہوگا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہو کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصرہ میں سکونت اختیار کی اسی وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وعظ ان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے[1]،

ہیرودیا کے شوہر کا نام غلطی نمبر ۵۶

انجیل متی کے باب ۱۴ آیت ۳ میں ہے کہ:-

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قید خانہ میں ڈالدیا"

یہ بات بھی غلط ہی، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فیلپس، جیساکہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۸ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،

غلطی نمبر ۵۷

انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

[1] کیونکہ لوقا ۳: ۱ میں ہو کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ وعظ اس وقت کہا جبکہ پنطیس، پیلاطیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تبریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرھواں سال تھا، تبریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، (برٹانیکا، ۱۹۷۶ء ج ۲۲ مقالہ تبریس) تو گویا حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزول ہو چکا تھا (برٹانیکا ص ۲۴۶ ج ۲ مقالہ ارخلاؤس) اگر ارخلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصرہ میں جا بسنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے مانا جائے تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ثابت ہوتی ہے ۱۲ تقی

"اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو" (آیت ۳ و ۴)

اس بیان میں "نہ اس کے ساتھیوں کو" کا لفظ غلط ہے، جیسا کہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

غلطی نمبر ۵۸

انجیل متی کے باب ۲۷ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے"

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا[۵۱]،

حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہوتے وقت زمین کی مبیّنہ حالت غلطی ۵۹

انجیل متی کے باب ۲۷ آیت ۵۱ میں ہے کہ:-

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا[۵۲]، اور زمین لرزی، اور چٹانیں تڑخ گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم اُن مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے"

یہ افسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل نورٹن نے گو انجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

---

۵۱ دیکھئے صفحہ ۶۷۶ و ۶۷۷ (جلد دوم)

۵۲ یعنی جس وقت حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) سولی دی گئی ۱۲

"یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصّے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یروشلم برباد و ویران ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آ گیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا[1]"

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں:۔

(۱) یہودی مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز پیلاطس کے پاس پہونچے، اور کہا کہ:۔

"اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہذا آپ پہرہ دار مقرر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک نگرانی کریں[2]"

نیز متی نے اس باب[3] میں صاف بیان کیا ہے کہ پیلاطس اور اس کی بیوی مسیحؑ کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوئیں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جائیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھل جانا اور مُردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں پیلاطس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اس کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیحؑ گمراہ تھے تو

---

[1] آر، اے ناکس نے بھی عہد نامہ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراف کیا ہو اور کہا ہو کہ متی نے مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔ Commentory on New Testament P. 70 V.I.

[2] متی ۲۷: ۶۲،

[3] متی ۲۷: ۱۸ و ۱۹،

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انھیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے بھی راضی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

② یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آئے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے،..... بائبل کا بیان ہے کہ جب رُوح القدس کا نزول حواریین پر ہوا اور انھوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۲[۱] میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

③ یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہے کہ سوائے متی کے اُس زمانہ کا کوئی بھی مورخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دَور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں سے بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بہانہ پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہیے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سُراغ لگاتا اور کھود کرید کرتا ہے جو مسیحؑ سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل کے باب ۱ اور کتاب اعمال باب ۱ سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات اُن واقعات کو تو لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر نظر انداز کر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

[۱] آیات ۱ تا ۴۰،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

④ وہ پردہ ریشمی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلوں پر مشترکہ طور سے لازم آتا ہے،

⑤ بہت سے مقدسین کے جسموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا پولس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے کھڑے ہوئے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اوّل ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے،[1]

لہٰذا سچی بات وہ ہے جو فاضل نورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم اٹکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب ویابس کی اس کو کچھ شناخت نہیں ہے، متن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آ گیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تین دن بعد زندہ ہونا غلطی ۶۰، ۶۱، ۶۲

انجیل متی باب ۱۲ آیت ۳۹ میں ہے کہ:۔

"اس نے جواب دے کر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ[2] تین رات دن

---

[1] دیکھئے صفحہ ،

[2] یعنی حضرت یونس علیہ السلام۔

مچھلی کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم[1] تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" (آیات ۳۹ و ۴۰)

اور متی ہی کے باب ۱۶ کی آیت ۴ میں ہے کہ:۔

"اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا"

یہاں بھی یوناہ پیغمبر (علیہ السلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲۷ آیت ۶۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اُٹھونگا"

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو اناجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تقریباً دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیسا کہ انجیلِ یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پیلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیسا کہ مرقس کی انجیل[2] میں صاف لکھا ہے اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوعِ شمس سے قبل غائب ہوگئی، جس کی تصریح انجیلِ یوحنا[3] میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

---

[1] انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپکے اکثر "ابن آدم" کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲

[2] مرقس ۱۵: ۴۲ تا ۴۶،

[3] یوحنا ۲۰: ۱ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

اور چونکہ یہ اقوال غلط تھے، اس لئے بانس اور شانر نے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ متی کی اپنی تفسیر ہے، اس کو مسیح کا قول تسلیم نہیں کیا، اور دونوں نے یہ بات کہی کہ :-

حضرت مسیح کا مقصود صرف یہ تھا کہ نینوی[1] کے باشندے جس طرح محض وعظ سنکر ایمان لے آئے اور معجزے کے طالب نہیں ہوئے اسی طرح لوگ مجھ سے بھی صرف وعظ سُنکر راضی ہو جائیں"

ان دونوں کی تقریروں کی بنا پر غلطی کا منشا متی کی بدفہمی تھی، اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ متی نے اپنی انجیل الہام سے نہیں لکھی، پھر جس طرح وہ اس موقع پر مسیح کی مراد نہ سمجھ سکا اور ٹھوکر کھائی، اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی وہ نہ سمجھ سکا ہو، اور غلط ہی نقل کر ڈالا ہو، پھر اس کی تحریر پر کس طرح بھروسہ اور اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی تحریر کو الہامی کس طرح مانا جاسکتا ہے؟ کیا الہامی کلام کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟

نزولِ عیسیٰ کے پیشینگوئی، غلطی نمبر ۶۳

انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۷ میں ہے :-

"کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا، اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے"

سب چیزوں کے ... تھسلنیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

[1] یعنی حضرت یونسؑ سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند

[2] یہ بقول انجیل خولک باقی رہیں گے، سوتے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گلی سڑی ہڈیاں بن گئے، مٹی ہو گئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی پادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا[1]،

غلطی نمبر ۶۴ انجیل متی باب ۱۰ آیت ۲۳ میں ہے :-

"جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے کہ ابن آدم آجائے گا"

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا فریضہ انجام دیدیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا، اور اب تو ان کی وفات پر ۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، لیکن "ابن آدم" اب تک سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰؑ کے یہ دو قول تو عروج آسمانی سے ... عروج کے بعد کے اقوال مندرجۂ ذیل ہیں :- ... دن ط

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸ کتاب مشاہدات باب ۲۲ کی نعش زیں ہے کہ : "میں بہت جلد آنے والا ہے، اور تیر

بعد قیام ... ۲۲ آیت ۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح ... رہے :-

---

[1] انجیل میں حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو اکثر "ابن آدم" کے نام سے یاد کیا ہے، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں۔

[2] مرقس ۱۵: ۴۲ تا ۴۶،

[3] یوحنا ۲۰: ۱، واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

"اس کتاب کی نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ، کیونکہ وقت نزدیک ہے"

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

"بے شک میں جلد آنے والا ہوں"

ان مسیحی ارشادات کی بناء پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول ان کے زمانہ میں نہ ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ان کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انھوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ

"تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خداوند کی آمد قریب ہے"

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۷ میں ہے کہ :-

"سب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعاء کرنے کے لئے تیار رہو"

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۲ آیت ۱۸ میں ہے کہ :-

"اے لڑکو! یہ اخیر وقت ہے"

۴۔ تھسلنیکیوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

"چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں، اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے، سوتے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند

خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئیگا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موے جی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اُٹھائے جائیں گے، تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

۵۔ فلپیون کے نام خط کے باب ۴ آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ:۔

"خداوند قریب ہے"

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔

"اور ہم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں"

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۵۱ میں ہے کہ:۔

"دیکھو! میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں سوئیں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھونکتے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جائے گا، اور مُردے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے"

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو اُن کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جائے گا[1]، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی، جس کے نتیجہ میں یہ اقوال غلط ہوں گے،

یہ کُل ۱۷ اغلاط ہوئیں،

---

[1] یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور "جلدی" سے مراد زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۲

غلطی نمبر ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ پھر انجیل متی کے باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے ؛ لوگوں نے آگے بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور برباد ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟ آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہے اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزولِ عیسیٰؑ اور قیامت کے آنے سے ہے، اسی مسلک کو فاضل پولس اور استار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی سیاقِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اِس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہے وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابلِ التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۲۰ء کی رُو سے اس طرح ہیں :-

"اور فوراً[1] ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا، اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ

[1] چونکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت بعینہٖ اسی سے نقل کردی ہے ۱۲ تقی

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،

اور آیت ۳۴ و ۳۵ میں ہے:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"

(عربی ترجمہ[1] مطبوعہ ۱۸۴۴ء کا بھی یہی مفہوم ہے) اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹:-

و بعد از زحمت آں ایام فی الفور آفتاب تاریک خواہد شد،	"اور ان ایام کی زحمت کے بعد فوراً آفتاب تاریک ہو جائے گا"

آیت ۳۴ میں ہے:-

ہر آستی کہ بشما میگویم کہ تا جمیع ایں چیزہا کامل نگردد ایں طبقہ منقرض نخواہد گشت،	"میں تم سے درست کہتا ہوں کہ جب تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ نسل ختم نہیں ہوگی"

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور ویران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ "فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد" اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰؑ کی ہمعصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیحؑ کی بات

---

[1] تطویل کے خوف سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی ۱۲ تقی

نہ مٹے، مگر افسوس ہے کہ وہ مٹ گئی، اور زمین و آسمان اب تک نہیں مٹے، اور بدستور قائم ہیں، اور حق باطل ہو گیا ـــــ خدا کی پناہ:

اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے، لہٰذا اس قصہ میں بھی غلطی ہوئی، اور تینوں انجیل والوں نے اس غلط بات کے لکھنے میں ایک دوسرے سے اتفاق کیا، اس طرح تینوں کے اتفاق سے کُل تین غلطیاں ہو گئیں۔

ہیکل کی بنیادوں پر دوسری تعمیر نہیں ہو سکتی، غلطی نمبر ۷۹ تا ۸۰

انجیل متی کے باب ۲۴ آیت ۲ میں مسیحؑ کا قول یوں بیان ہوا ہے کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا"

اور علماء پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ ہیکل کی بنیادوں پر جو بھی تعمیر کی جائے گی وہ منہدم ہو جائے گی، اور اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، جیسا کہ مسیحؑ نے خبر دی ہے، مصنف تحقیق دین الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی مسیحؑ کی اُن بڑی پیشینگوئیوں میں سے ہے جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے، اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۳۹۴ پر وہ رقمطراز ہیں:۔

پادشاہ جولین نے جو مسیحؑ کے تین سو سال بعد ہوا ہے اور مذہب عیسوی سے مرتد ہو گیا تھا، ارادہ کیا کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرائے تاکہ مسیح کی پیشینگوئی باطل ہو جائے۔ چنانچہ جب اس کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیادوں سے ایک آگ برآمد ہوئی جس سے ڈر کر تمام معمار بھاگ گئے، پھر اس کے بعد کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہو سکی کہ اس

سچے کی بات کو مٹائے جس نے کہا تھا کہ آسمان و زمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی"

پادری ڈاکٹر کیتھ نے "منکرین مسیح" کے رد میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل" رکھا ہے، یہ کتاب دارالسلطنت اڈنبرگ سنہ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۷۰ پر کہتا ہے کہ:-

"شہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور ہیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادوں کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت شہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ ہیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جدوجہد اور شہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بت پرست مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور معماروں کو جلا دیا جس کے سبب انھوں نے کام روک دیا"

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی۔ اسی باب کی دوسری پیشینگوئی[1] غلط ہے

طامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیوں پر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر سنہ ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۳ و ۶۴ میں وہ کہتا ہے کہ:-

[1] یعنی وہ پیشینگوئی جو جبل زیتون پر کی گئی اور غلطی نمبر ۷ کے ضمن میں پیچھے گذر چکی ہے،

عمر (رضی اللہ عنہ) وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنھوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دور ساڑھے دس سال ہے، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب، شام و ایران اور مصر پران کا تسلط ہوگیا، نیز انھوں نے بنفس نفیس یروشلم کا محاصرہ کیا، اور ۶۳۷ء میں ان عیسائیوں سے صلح کرلی جو طویل محاصرہ سے تنگ آگئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ اُن کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی، اور پادری نے یعقوبؑ کے حجرے اور ہیکل سلیمانی کے مقام کی نشان دہی کی، اس مقدس جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلاظتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسرانِ فوج نے عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادتِ خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا عبدالملک بن مروان نے جو بارھواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دورِ خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی۔"

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر بایں ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبدالملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گذر چکا ہے، پھر اُن کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہوگئی! اور نہ آسمان وزمین فنا ہوتے، اور چونکہ یہ قول انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی منقول ہے، لہٰذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلاط ہوگئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں غلطی نمبر ۸۲

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ:

"یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے"۔

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب یہودا اسکریوتی تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہوگئے تھے[1]، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جہنمی بنے، پھر اُن کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳

انجیل یوحنا باب اوّل آیت ۵۱ میں ہے کہ:

"پھر اس سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم آسمان کو کھلا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے اور ابن آدم پر اُترتے دیکھو گے"۔

---

[1] دیکھئے متی ۲۶: ۱۴ و ۲۶: ۴۷ و ۲۷: ۳،

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطباغ اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہو[1] حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے فرشتوں کو نازل ہوتے اور جاتے ہوئے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ قطعی غلط ہے،

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴

انجیل یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے[2] کہ:-

"اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا، سوا اس کے جو آسمان سے اُترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جائے گئے، اور چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۵[3] میں اور سلاطین ثانی باب ۲ میں موجود ہے،[4]

عیسائیوں کی کرامتیں غلطی نمبر ۸۵

انجیل مرقس باب ۱۱ آیت ۲۳ میں کہا گیا ہے کہ:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے کہ تو اُکھڑ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شک نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہے وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے وہی ہوگا"

---

[1] ان دونوں واقعات کی تفصیل ص ۱۹۵ جلد ہذا پر گذر چکی ہے)، یہ واقعات یوحنا میں اس قول سے پہلے ۱: ۳۲ میں بیان کئے ہیں ۱۲

[2] یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲

[3] "اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھا لیا" (پیدائش ۵: ۲۴)

[4] "اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا" (سلا ۲: ۱۱)

اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱۷ میں یوں کہا گیا ہے :۔

"اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انھیں کچھ ضرر نہ پہونچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے"

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے کہ :۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں"

اس میں یہ بات کہ "جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا" عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ "جو مجھ پر ایمان لائے گا" یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقۂ اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کی نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اس کو مسیحؑ کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ ان سے بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ "ان سے زیادہ بڑے کام کریگا" اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیح جیسے کارنامے حواریوں ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرقِ عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں منتخب اور چیدہ عیسائیوں یعنی فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ باوجود سالہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مؤنث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، شیاطین کو نکال دینا اور سانپوں کو اٹھا لینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفاء دینا تو کجا ہے دارد:

سچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ہاں بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے،

شیطان لوتھر پر غالب آگیا

ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم الشان پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآۃ الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، پادری موصوف صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷ میں کہتا ہے:-

"لوتھر نے دسمبر ۱۵۴۳ء میں ارادہ کیا کہ میسنا کے بیٹے سے شیطان کو نکال دے مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو اُن یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنھوں نے شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۹ آیت ۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لوتھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کر ڈالا، ستافیلس نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لوتھر کی گردن دبا رکھی ہے، اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ بدحواس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھوڑے سے جو اس کو روشندان کے ذریعہ اُس کے نوکر نے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا"

کالون کی شرارت اور اُس کا عبرتناک انجام

دوسرا واقعہ بلسک وایل ہیرس مورخ نے فرقہ پروٹسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کالوین کا جو لوتھر کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص بیردِمس کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چت لیٹ کر سانس روک کر مُردہ کی طرح ہو جانا ... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیردمس مُردے اُٹھ کھڑا ہو اور زندہ ہو جا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مُردہ تھے، اور اب زندہ ہوتے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمھارا شوہر اپنے آپ کو مُردہ بنالے تو تم خوب رونا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی ہمدردی دینے والیاں جمع ہو گئیں، تب کالوین آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رو میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور ہیروڈس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ ہیروڈس واقعی مر چکا تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کالون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا، اور چلّا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے"

ملاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ ؟ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دور میں پولس کی طرح عظیم الشان مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروؤں کے حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور فرقہ کیتھولک کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زہر دوسرے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، خود پی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، پھر جب گرجے کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں، غرض دونوں فرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات سے قطعی محروم ہیں

غلطی نمبر ۸۶ انجیل لوقا باب ۳ آیت[1] ۲۷ میں یوں ہے کہ:-

"وہ یوحنا کا اور وہ ریسا کا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور وہ نیری کا"

---

[1] حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اِس آیت میں تین اغلاط ہیں :۔

۱، زور بابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں[1] ہے، اس کے علاوہ یہ متی کی تحریر کے بھی خلاف ہے،

۲، زور بابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالتی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور[2] ہے،

۳، سیالتی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متی نے بھی کی ہے[3]،

غلطی نمبر ۸۷

لوقا باب ۳ میں کہتا ہے :۔

"وہ سلح کا اور وہ قینان کا اور وہ ارفکسد کا"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلح ارفخشد کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱[4] میں اور کتاب تواریخ اوّل باب ۱ میں موجود[5] ہے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں[6] ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود عیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہمارے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں عیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۹۰ کا حاشیہ،

[2] دیکھئے حاشیہ صفحہ ۴۸۹ کتاب ہذا،

[3] یکنیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا (متی ۱ : ۱۲)

[4] جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا تو اس سے سلح پیدا ہوا (۱۱ : ۱۲)

[5] "سم، ارفکسد، سلح" (۱ : ۲۴)

[6] یہ مصنفؒ نے غالباً اس لئے کہا ہے کہ بعض تراجم میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا،

ولادتِ مسیحؑ سے پہلے کی مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیل لوقا باب۲ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:

"ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگسٹس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری (آبادی)[1] کے نام لکھے جائیں یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی"

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنت روما کی آبادی ہے، اور لفظاً یہی معلوم ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنت یہودا کی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں سے جو یا تو لوقا کے ہمعصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اُس مردم شماری کو جو ولادتِ مسیحؑ سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ اُن مورخین میں سے کسی نے جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہے کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقل ہے، پھر اگر اس سے بھی قطع نظر کرلی جائے تب بھی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کورنیس والیِ شام جو مسیحؑ کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیحؑ کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہوچکی ہو، اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیحؑ کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریمؑ کا حمل متواتر پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اوّل میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ زکریا علیہ السّلام کی بیوی ہیرودیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریمؑ اس کے چھ ماہ بعد حاملہ ہوئی تھیں[2]، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

---

[1] مصنفؒ کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہیں، مگر مطبوعہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے "ساری دنیا" کا لفظ ہے ۱۲

[2] اور ہیرودیس کا زمانہ کورنیس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۲

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

غلطی نمبر ۸۹ انجیل لوقا باب ۳ آیت ا میں اس طرح ہے کہ:۔

"تبریس قیصر کی حکومت کے پندرہویں برس جب پنطیس پیلاطس، یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخونی تس کا اور لسانیاس ابلینے کا حاکم[1] تھا، (بعض تراجم میں ابلینے کے بجائے ابلیاہ کا لفظ ہے مآل دونوں کا ایک ہی)"

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک لسانیاس نام کا کوئی شخص جو پیلاطس اور ہیرودیس کا معاصر ہو ابلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

غلطی نمبر ۹۰ باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں یوحنا سے ملامت اٹھا کر الخ"

یہ قطعی غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے[2]، عیسائی مفسرین نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ کے شاہد ۲۷ میں مزید معلوم ہو جائے گا[3]، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب کاتب کی۔

---

[1] "حاکم" یہاں یونانی لفظ "تتراخ" کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی "چوتھائی ملک کا حاکم" ہیں جیسا کہ مترجم کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

[2] دیکھئے صفحہ ۴۹۹ جلد ہذا ، [3] دیکھئے صفحہ ۶۷۴ ، جلد دوم ،

غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب ۶ آیت ۱۷ میں ہے کہ:۔

"ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا، اور اپنے بھائی فلپّس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب اسے قیدخانہ میں باندھ رکھا تھا،"

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تینوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۲۱ء و سنہ ۱۸۴۴ء کے مترجم نے متی اور لوقا کی عبارت میں تحریف کر کے لفظ فیلپس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اِس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی روٹیاں کھانا غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴

انجیل مرقس باب ۲ آیت ۲۵ میں اس طرح کہا گیا ہے:۔

"اس نے ان سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں"

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تنہا تھے، اس وقت ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ "اور اس کے ساتھیوں" غلط ہیں، اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ "اپنے ساتھیوں کو" غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ میں ــــــــــــــــــ

کاہنوں کا رئیس اخیملک تھا، نہ کہ ابیاتر جو اخیملک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ[۵۱] "ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں" قطعی غلط ہیں، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اقرار اُن کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد ۲۹[۵۲] میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اوّل باب ۲۱ و ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے[۵۳]،

غلطی نمبر ۹۵، ۹۶ انجیل لوقا باب ۶ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے "داؤد اور اس کے ساتھی" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دیں" کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

غلطی نمبر ۹۷ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ہے کہ :-
"اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا[۵۴]"،

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہوداہ اسکریوتی اس سے قبل مرچکا تھا، اس لئے حواری صرف

---

[۵۱] "سردار کاہن" (High Priest) بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات میں ہے کہ یہ عہدہ سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ مخصوص فرائض، تفصیل کیلئے دیکھئے خروج باب ۲۸ و ۲۹ اور احبار باب ۸ و ۱۹،

[۵۲] دیکھئے صفحہ ۵۹۳ جلد دوم،

[۵۳] "اور داؤد نوبت میں اخیملک کاہن کے پاس آیا اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟" (۲۱: ۱) اس کے بعد ردّیوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یاتر تھا الخ (۲۲: ۲۰)"،

[۵۴] یہاں حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے کیفا کو اور پھر بارہ حواریوں کو نظر آئے، ہورنؔ نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۵۹، جلد ۲)

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مرقس نے اپنی انجیل کے باب[1] ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ :۔

"پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا"

حواری غلطی نہیں کرسکتے

غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰

انجیل متی باب ۱۰ آیت ۱۹ میں ہے :۔

"لیکن جب وہ تم کو پکڑوائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح کہیں! کیا کہیں؟ کیونکہ جو کچھ کہنا ہوگا اسی گھڑی تم کو بتایا جائے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے، جو تم میں بولتا ہے" (آیات ۱۹ و ۲۰)

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ :۔

"اور جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیار والوں کے پاس لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح القدس اسی گھڑی تمہیں سکھا دے گا کہ کیا کہنا چاہیے"

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گویا تینوں انجیل والوں کی تصریح ان کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں سے وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا الہام ہوگا تمہارا کلام ہرگز نہ ہوگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ :۔

"پولس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گذاری ہے، سردار کاہن حننیاہ نے ان کو جو اُن کے پاس کھڑے تھے حکم دیا کہ اس کے منہ پر طمانچہ مارو

[1] آیت ۱۴،

پولس نے اس سے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انھوں نے کہا تو کیا خدا کے سردار کاہن کو برا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کاہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو برا نہ کہہ" (آیات ۱ تا ۵)

پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو اُن کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سب سے بڑے حواری پطرس کی برابری کا مدعی[1] ہے) نیز فرقۂ پروٹسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہے، وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلطی کرسکتا ہے؟

نیز عنقریب فصل[2] ۴ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہے اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے عدد کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں،

انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۱۷ میں لکھا کہ حضرت الیاسؑ پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی[3]۔

---

[1] "میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں" (۲ کرنتھیوں ۱۲: ۱۱)

[2] دیکھئے ص ۳۴۳ و ۳۴۴ جلد ہذا۔

[3] "ایلیاہ کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا" (لوقا ۴: ۲۵) "چنانچہ ساڑھے تین برس تک زمین پر مینہ نہ برسا" (یعقوب ۵: ۱۷)۔

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اوّل باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوئی تھی[1]، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیحؑ کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوبؑ کے قول میں، اس لئے درحقیقت دو غلطیاں ہوگئیں۔

حضرت عیسیٰؑ داؤدؑ کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳،

انجیل لوقا کے باب اوّل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

"اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا، اور وہ یعقوبؑ کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا"

(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی دو لحاظ سے غلط ہے:

اوّل تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہویقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو متی کی انجیل میں درج ہے، اور یہویقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھ سکے، جس کی تصریح کتاب ارمیاہ باب ۳۶ میں موجود ہے[2]،

دوم یہ کہ مسیحؑ کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤدؑ کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ ان کو یعقوبؑ کی اولاد پر بادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور پیلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

[1] "خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر اخی اب سے مل اور میں زمین پر مینہ برساؤں گا" (۱-سلا ۱۸: ۱)

[2] یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے (۳۶: ۳۰)

مارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنھوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا،

اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بادشاہت سے متنفر[1] تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا،

غلطی نمبر ۱۰۴

انجیل مرقس باب ۱۰ میں ہے کہ :-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانہ میں سو گنا نہ پائے، گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی" (آیات ۲۹ تا ۳۱)

اور انجیل لوقا باب ۱۸ میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:-

"اور اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ نہ پائے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی"

حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جب اُس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک سو بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا ممنوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جائے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جاتا ہے،

اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوڑ ہے کہ "اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ" اس لئے کہ گفتگو ہو رہی ہے بہترین جزاء اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

دیوانہ کو شفاء دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۵ میں مجنون سے بدروحوں کے نکالے جانے کی کیفیت کے بیان

[1] "پس یسوع یہ معلوم کرکے کہ وہ آکر مجھے بادشاہ بنانے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا" (۶ : ۱۵)

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-

"پس انھوں نے (یعنی بدروحوں نے) اس کی منت کرکے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیجدے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور ناپاک روحیں نکل کر سوروں میں داخل ہوگئیں، اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پرسے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا" (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دَور میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات بالکل ممکن تھی کہ وہ دیوانہ کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفاء دیدیتے، جو نصاریٰ کی نگاہ میں بھیڑ بکری کی طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے مالکان کو کیوں پہنچایا!

غلطی نمبر ۱۰۶ انجیل متی باب[۱] ۲۶ میں یہودیوں سے ہمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

"اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادل سے آتا ہوا نہیں دیکھا، نہ وفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔

[۱] آیت ۶۴۔

شاگرد استاد سے نہیں بڑھ سکتا غلطی نمبر ۱۰۷

انجیل لوقا باب[1] ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

"شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا"

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں سے بڑھ گئے ہیں:۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی؟ غلطی نمبر ۱۰۸

انجیل لوقا باب[2] ۱۴ میں مسیح کا قول یوں بیان ہوا ہے:۔

"اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا"

یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیح ؑ کی شان سے بعید ہے، حالانکہ مسیح ؑ نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے، اس کی تصریح انجیل متی باب[3] ۵ میں موجود ہے، ایسی صورت میں مسیح ؑ کس طرح ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

غلطی نمبر ۱۰۹

انجیل یوحنا باب ۱۱ میں اس طرح ہے کہ:۔

"اور ان میں سے کائفا نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کاہن

---

[1] سب نسخوں میں باب ۷ ہی مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح باب ۶ آیت ۴۰ ہے، کیونکہ یہ جملہ اسی میں موجود ہے، ۱۲

[2] آیت ۲۶،

[3] سب نسخوں میں باب ۵ ہی، مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۴ ہے ۱۲ تقی

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں[1] کو جمع کر کے ایک کر دے" (آیات ۴۹ تا ۵۲)

یہ بھی کئی اعتبار سے غلط ہے:

اوّل تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوّت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰ کی موت کو فقط یہودیوں کی طرف سے کفارہ[2] شمار کیا جائے نہ کہ سارے عالم کی طرف سے، جو عیسائی نظریات اور دعاوی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ "نہ صرف اس قوم کے واسطے" قطعی لغو اور نبوّت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک مسلم ہے وہی ہے جو اس وقت کاہنوں کا رئیس تھا، جب کہ عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی، اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیحؑ کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

---

[1] غالباً اس لئے کہ "خدا کے فرزند" کا لفظ انہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲

[2] "کفارہ" عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے اصلی گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ از راقم الحروف ۱۲ تقی

اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی مار پیٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،
چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ:-

"اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے جہاں فقیہہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے۔"

پھر آیت ۶۳ میں ہے:-

"مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے، اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے، اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی ؟ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہی، تمھاری کیا رائے ہے ؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں نے اس کے منھ پر تھوکا، اور اس کے مکّے مارے، اور بعض نے طمانچے مار کر کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟" (آیات ۶۳ تا ۶۸)

چوتھے انجیلی نے بھی[1] اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"اور پہلے اُسے حنّا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن کائفا کا سسر تھا، یہ وہی کائفا تھا جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ امت کے واسطے ایک آدمی کا مرنا بہتر ہے۔"

---

[1] یوحنا ۱۸: ۱۳ و ۱۴،

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوّت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیلی نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کیونکر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویِٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟

اور اگر نبوّت کے وسیع جامے میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوّت سے بھی اور ایسے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقلی اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نعوذ باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھدی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابلِ سماعت ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے بیہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویِٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام بکواس تثلیث پرستوں کی من گھڑت ہے،

بالفرض اگر کائفا کے قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰؑ ہی مسیح موعود ہیں، اُدھر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم الشان پادشاہ ہو تو خود اس کو اور اکابر یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجبِ فساد ہوگی، اور قیصرِ روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجۃً ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰؑ کے ہلاک کردیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہوسکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سارے عالم کے انسان اس اصلی گناہ سے چھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدمؑ کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے ان سے مسیحؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیلی کو بعد میں یہ فروگذاشت محسوس ہوئی، جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجائے "نبوت کرنے" کے "صلاح دی" کے الفاظ کو استعمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلافی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماردی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈالی۔

غلطی نمبر ۱۱۰

رسالہ عبرانیہ باب ۹ میں ہے:-

"چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو شریعت کا ہر ایک حکم سنا چکا تو بچھڑوں اور بکروں کا خون لے کر پانی اور لال اُون اور زوفا کے ساتھ اس کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم خدا نے تمہارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام چیزوں پر خون چھڑکا۔" (آیت ۱۹ و ۲۰)

اس میں تین لحاظ سے غلطیاں ہیں:-

۱۔ اوّل یہ کہ وہ خون بچھڑوں اور بکروں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،

۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سُرخ صوف اور زوفا شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،

۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰؑ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ برتنوں پر، بلکہ نصف خون قربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا جس کی تصریح کتابُ الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے:۔

"اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جاکر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیئے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اُٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنھوں نے سوختنی قربانیاں چڑھائیں، اور بیلوں کو ذبح کرکے سلامتی کے ذبیحے خداوند کے لئے گذرانے، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا قربان گاہ پر چھڑک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سُنایا، انھوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کرینگے اور تابع رہیں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا دیکھو یہ اس عہد کا خون ہے جو خداوند نے ان سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے"

ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی ممانعت کردی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ شرجو

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہوگا وہ فائدہ سے زیادہ ہوگا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونیکی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے غائب تھیں، پھر جب فرقۂ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا اور انھوں نے ان کتابوں کا کھوج نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِّ عمل ہوا وہ دنیا جانتی ہے، کتاب الثلاث عشرہ مطبوعہ بیروت ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۴۱۷ و ۴۱۸ پر لکھا ہے کہ:-

"اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہئے جو ٹرنیٹی کی مجلس سے مرتب ہوا ہے، اور پوپ کے یہاں سے اس پر مہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بنا پر پادری یا قاضی کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراف کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہونچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیتھولکی استاد کی نظر سے گذر چکی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں قطعی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لیجائی جائے۔"

چوتھی فصل

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے، اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان پر اکتفار کرتے ہیں:۔

معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل:

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عمداً تحریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک توجیہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۳ کی قسم اوّل میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۳ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معنوی اختلافات سے محفوظ ہونا ازبس ضروری ہے،

تحریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تحریفات بھی موجود ہیں، اور بے سمجھی سے کی جانیوالی تحریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرّف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو انشاء اللہ عنقریب نشان دہی کی جائے گی،

بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کا اعتراف:

کتاب بارُوک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پند کلیسا، مقابیین کی کتاب نمبر ۱ و ۲، کتاب استیر کے باب ۱۰ تا ۱۶ اور باب ۱۰ کی دس آیات ..... کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین بچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ و ۱۴ فرقہ کیتھولک کے نزدیک عہد عتیق کے اجزاء ہیں،

ادھر فرقہ پروٹسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب التسلیم ہیں، اس لئے اُن کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے. جو صاحب چاہیں اُن کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر ۳ گریک کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر فرقۂ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں فرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

نیز کتاب القضاۃ ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو فینحاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو خزقیا کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو خزقیا کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اسٹاربرگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب نحمیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب ۱۲ کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی ربی مانی ویز اور میکائلس وسیلر واسٹیناک و تھیوڈر اسی طرح فرقۂ پروٹسٹنٹ کے امام اعظم لوتھر کی رائے کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہو یا الہ کے کسی شخص کی، یا مجہول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمان کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ علماء تلمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشید الانشاد تھیوڈور موپسین اور لیکلرک اور وسٹن وسیلر اور کاسٹلیولیس کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،

اور کتاب اشعیاء کے ستائیس باب فاضل اسٹاہلن جرمنی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور جمہور علماء متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح الہامی نہیں ہو سکتا، یہ انجیل یوحنا، اسٹاڈلن اور محقق برطشیندر کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے اور اس کا آخری باب محقق کروڈٹیس کے قول کے موافق الہامی نہیں ہے،

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برطشیندر اور فرقہ الوجین کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک الہامی نہیں

ہورن کا اعتراف:

ہورن اپنی تفسیر کی جلد مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ:-

"اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں معدوم ہو چکی ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہا ہو کہ میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہودا و اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملی، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر اُن پیغمبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر دو قسم کی ہے، ایک قسم تو دیندار مورخین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت شریعت کی سند ہے "

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اوّل میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہوجانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب ۲۱ آیت ۱۴ [۱] میں ہے کہتا ہے کہ:-

"یہ کتاب جو معدوم ہوگئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ [۲] کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب تھی جس کو موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے عمالقہ کی شکست کے بعد یوشع کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جسز تھی"

پھر جلد اوّل کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ:-

"جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الٰہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو

---

[۱] کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہے، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہوچکا ہے ۱۲

[۲] جوزف باربر لائٹ فٹ Joseph Barber Lightfoot (پ ۱۸۲۸ء م ۱۸۸۹ء) مشہور انگریز عالم اور شارح [illegible]

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق لکھیں اور علم الالہام اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ہر وہ بات جو انھوں نے بیان کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے"

پھر کہتا ہے کہ:-

"یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہوا کرتا تھا"

الگزیدر کا اعتراف:

ہنری، و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزیدر کینن یعنی الگزیدر کے اصولِ ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

"ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قانونی ہو، اور سلیمان کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہو وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء اور حواریوں کو خاص خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا"

اور الگزیدر علماءِ پروٹسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہو، اور اسی لئے فاضل وارن پروٹسٹنٹ نے کارکرن کیتھولک کے مقابلہ میں انجیل کی صحت وعدم صحت کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلوپیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہی، یہ لوگ جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۷ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے وہ الہامی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو اُن میں بیان کئے گئے ہیں جیروم، کرڈٹیس، پروکوبیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے[1]"

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں:۔

"جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہے، اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے"

پھر کہتے ہیں کہ:۔

اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہدِ جدید کے کس جزء کو الہامی تسلیم کرتے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائل اور احکام اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشنگوئیاں جو مسیحی مذہب کی بنیاد ہیں وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حواریوں کی یادداشت ان کے بیان کے لئے کافی ہے۔"

ریس کی تحقیق:

ریس نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائیکلوپیڈیا ریس کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

[1] برٹانیکا کے موجودہ ایڈیشن میں ہمیں یہ جملہ نہیں ملا، تاہم ان کتب کے لفظ بلفظ الہامی نہ ہونے کا اعتراف موجودہ ایڈیشن میں ص ۲۳۳ ج ۱۲ "انسپریشن" کے تحت موجود ہے۔

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲۳ کی ابتدائی ۶ آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے[1]،

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یروشلیم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انھوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال[2] باب ۱۱ آیت ۲ و ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا، (دیکھئے[3] ۲ کرنتھیون باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا (دیکھئے[4] کرنتھیون کے نام پہلا خط باب آیات ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۴۰ اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اس سے

---

[1] یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ہذا پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۱۲

[2] "جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا" (اعمال ۱۱ : ۲ و ۳)

[3] "میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا" (۲ کرنتھیون ۱۱ : ۵)

[4] ان عبارتوں میں سے ایک درج ذیل ہے" مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" (اکر ۷ : ۱۰)

یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں"

پھر کہا ہے کہ:۔

"میکائلس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ الہام رسالوں میں یقیناً مفید ہے، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم الہام سے قطع نظر بھی کرلیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہے، جیسا کہ مسیح نے بھی فرمایا کہ "اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو" جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۵ آیت [۱] میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہونچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملتِ عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کسی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے، بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے، اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ مورخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایمانی بنیادوں کو جانچنا پرکھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس لئے کہ اناجیل میں درج شدہ

[۱] سب نسخوں میں ۱۷ ہی ہے، مگر درست ۲۷ ہے ۱۲ تقی

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بنا پر "دَور"[1] کو مستلزم ہی کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان واقعات میں اُن کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیشِ نظر رکھیں تو ملتِ عیسوی میں کسی قباحت کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تجربوں میں آتے ہیں، اور جن کا ادراک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ بات سمجھنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی ہو پھر اس کے بعد اصلاح یوحنا نے کر دی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم فائدہ مرتب ہوگا، مسٹر کڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکائلس کی تائید کی ہے" رہیں وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیساکہ مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکائلس نے ان کے الہامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

واٹسن کا اعتراف:

واٹسن نے اپنی کتاب رسالۃ الالہام کی جلد ۴ میں جو کہ ڈاکٹر بینسن کی تفسیر سے

[1] دَور علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہو کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر موقوف ہو اور اس دوسری کا ثبوت پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال ہی، رلیس کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو "دَور" لازم آجائے گا جو محال ہی، اس لئے ضروری ہو کہ اناجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۱۲ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریر کا الہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہورہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ:۔

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں، ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے معزز تھیفلس! میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے"

واٹسن کہتا ہے:۔

"مذہب عیسوی کے متقدمین علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آرینوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکھی تھیں ہم تک پہونچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پولس ہی پر نہیں ہے، جس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسّر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پولس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی"

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ:۔

"حواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو اُن کے پاس جو الہام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہر حال وہ انسان تھے اور عقل والے اور صاحبِ الہام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر الہام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی۔۔۔

عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پولس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ تھیمتھیس کو بغیر الہام کے یہ لکھے کہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کرے" چنانچہ اس کی تصریح تیمتھیس کے نام پہلے خط باب ۵ آیت ۲۳ میں موجود ہے، یا اس کو یہ لکھ سکے کہ: ....

...... "جو چوغہ میں ترو آس[1] میں کرپس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آئے تو وہ اور کتابیں خاص کر رق کے طومار لیتے آنا" جیساکہ اس کے نام دوسرے خط کے باب ۴ آیت ۱۳ میں ہے، یا فلیمون کو یہ لکھ سکے کہ: ....

.......: "اس کے سوا میرے لئے ٹھیرنے کی جگہ تیار کر" (فلیمون آیت ۲۳) یا تیمتھیس کو لکھے کہ: "ارستس کرنتھس میں رہا اور ترفمس کو میں نے میلتس میں بیمار چھوڑا" (۲۔ تیمتھیس ۴: ۲۰) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات نہیں بلکہ مقدس پولس کے حالات ہیں، جس نے کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۷ آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو" پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ "باقیوں سے میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند" اور آیت ۲۵ میں ہے: "کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن دیانتدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق رائے دیتا ہوں الخ" اور کتاب اعمال باب ۱۶ آیت ۶ و ۷ میں ہے کہ "اور وہ فروگیہ اور گلتیہ کے علاقہ میں سے گذرے، کیونکہ روح القدس

[1] ترو آس سمرنہ سے شمال میں آستیہ کی ایک بندرگاہ تھی، کرپس ایک شخص کا نام ہے، اور "رق" بکری کی جھلی کو کہتے ہیں جو پرانے زمانہ میں کاغذ کے طور پر استعمال کی جاتی تھی ۱۲ تقی

نے انھیں آسیہ میں کلام سنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیہ کے قریب پہونچ کر بتونیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر یسوع کی رُوح نے انھیں جانے نہ دیا"

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بنیاد دو چیزوں پر قائم تھی ایک عقل، دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے ملّتِ عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کرجاتے ہیں، جس کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب ۱۵ آیت ۲۴ و ۲۸ نیز کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۶ آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب ۱ آیت ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلوپیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ اُس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرینِ قیاس اور امتحان میں لاجواب اور بے مثل ہے"

باسو برلیا فان کا اعتراف:

باسو برلیا فان کہتا ہے کہ:-

"روح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، اُن کے لئے کوئی خاص زبان متعین نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دلوں میں صرف مضامین کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے اُن کی حفاظت کی اُن کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عبارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہدِ عتیق کے مؤلفوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں فرق اور تفاوت پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہوگا وہ متّی اور لوقا اور پولس اور یوحنا کے محاورات میں فرق محسوس کرلے گا،

ہاں اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرتا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتبِ مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو لوقا نے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چیزوں کو آئندہ نسلوں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہو عادتاً یوں کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولس کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر لوقا کو اس کے باوجود اپنے بیان میں پولس کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے اس میں کچھ نہ کچھ تفاوت ہے، مگر تناقض نہیں ہے"

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں، جس کی تصریح ہورن اور واٹسن نے کی ہے،

توراۃ کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف:

ہورن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے:۔

"اکہارن ان جرمنی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے الہام کا اعتراف نہیں ہے"

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ:۔

"شلز، واتھ اور روزن ملر و ڈاکٹر جدس کہتے ہیں کہ موسیٰؑ کو کوئی الہام نہیں ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں آجکل جرمنی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے"

نیز وہ کہتا ہے کہ:۔

"یوسی بیس اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں اپنے خسر کی بکریاں چرایا کرتے تھے"

ہماری گذارش یہ ہے کہ جب موسیٰؑ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی تو یہ کتاب بھی اُن محقق علماء کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد الہامی نہیں ہے، جیساکہ محقق ہورن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو الہامی کیونکر ہو سکتی ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ:۔

"لوتھر نے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں کہا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کو مانتے ہیں نہ توریت کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلّادوں کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکام عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکام عشرہ کو خارج کردیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی بیس کہتا ہے کہ ان احکام عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، فرقہ انٹی نومینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ توریت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار ہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کتنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی تہہ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکام عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی "

ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کی شان میں کیسے کیسے موتی بکھیرے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰؑ، عیسیٰؑ کے دشمن اور جلادوں کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ توریت خدائی کتاب ہے، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰؑ اور توریت اور نہ احکامِ عشرہ سے ہے، اور یہ احکام قابلِ اخراج بھی ہیں اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ اُن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے توریت اور موسیٰؑ کے بھی منکر ہوں، اور شرک و بُت پرستی، والدین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذاء رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پروٹسٹنٹ کے ضروری اجزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکامِ عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس فرقہ کے بعض لوگوں نے ہم سے یہ بھی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰؑ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدوّن کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰؑ ہمارے خیال میں ایک چور اور لٹیرے تھے۔ ہم نے کہا خدا سے ڈرو، کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ:۔ "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے اُن کی نہ سُنی" جس کی تصریح انجیلِ یوحنا کے باب۱۰ آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ "جتنے مجھ سے پہلے آئے" موسیٰؑ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے،

ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً فرقہ پروٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگردِ رشید نے

موسیٰؑ اور توریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰؑ کے اسی قول سے استدلال کیا ہوگا

یعقوب کے خط اور مشاہداتِ یوحنا کے بارہ میں عیسائی علماء کا اعتراف

فرقہ پروٹسٹنٹ کا امام لوتھر یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے :-

"یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری نے اپنے رسالہ کے باب ۵ میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے بزرگوں کو وہ بلائے، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اس کے لئے دعا کریں"

امام مذکور نے اپنی کتاب کی جلد ۲ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

"اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کسی حواری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کسی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا"

لہٰذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ :-

"پومرن جو فرقہ پروٹسٹنٹ کا ایک زبردست عالم ہے اور جناب لوتھر کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو واہیات باتوں میں ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے لیے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جا سکتی،

وائی تس تھیوڈورش پروٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں واعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات یوحنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ یعقوب ان بعض مقامات پر قابلِ ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، مکیڈی برجن سلتیورتس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے "

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح اُن کا امام نہیں مانتا،

کلی می شیس کا اعتراف:

اکلی می شیس کہتا ہے کہ :-

" متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے "

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اوّل تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات لوقا کی بات پر راجح ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے، یہ تینوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی دو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے اوپر نہیں ہو سکتی، محقق بیلی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں طبع ہو چکی ہے:

اس کے صفحہ ۳۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :-

"دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قربِ قیامت کے معتقد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں پطرس سے یہ کہا کہ[1] "اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟" اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لیے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی،[2] غور کیجئے، اگر یہ بات رائے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہنچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے، جس سے یہ خطرناک غلطی پیدا ہوئی ہے، اور آج کوئی شخص ملتِ عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیشِ نظر جو ہم تک پہنچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین مسیحی حضرات اپنے زمانہ میں قیامت واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے جو ہم نے اس پرانی اور ناپائدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب دہی سے تو بچالیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہے، تو پھر ان کی کسی بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

---

[1] دیکھئے یوحنا، ۲۱: ۲۲،

[2] "لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟" (یوحنا، ۲۱: ۲۳)

اس کے جواب میں ملتِ مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلہ میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہی، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلوب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجہ کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہو تاکہ تمام خطرہ دور ہو جائے:

اوّل یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہوگئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہوگئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحۃً دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڈمڈ ہوگئی ہیں اُن کی نسبت کچھ نہ کچھ کہنا ہوگا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلّط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے اس زمانہ میں عام ہوگئی تھی، اس بناء پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مبتلا ہوگئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملتِ عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، بلکہ مسیحی اقوال کے ساتھ اس ملک میں رائے عامہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہوگیا ہے، اور ارواح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا، نہ تو اُن کے پیغام کا جزو ہے نہ اُس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے:

دوسرے اُن کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، بظاہر

ہو کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی توضیح و تقویت کے سلسلہ
میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر
کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعتِ موسویہ الہامیہ کی اطاعت
واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے،
پولس جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں اور بہت سی باتیں
ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب التسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم
حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت ملّتِ مسیحی کی حمایت کے لئے
کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو
کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اُن کے
مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہو گا وہ واجب التسلیم ہو گا، مگر یہ بات ہمارے لئے
ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا اُن کو قبول کریں،
البتہ ایسی صورت میں جب کہ انھوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف
کیا ہو تو بیشک وہی واجب التسلیم ہو سکتے ہیں "

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوئے :-

اوّل یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوعِ قیامت کا اعتقاد
رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح
ہو کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان[1] کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہو
کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت اُن کے زمانہ میں واقع ہوگی

---

[1] دیکھئے صفحہ ۵۰۶ تا ۵۰۸ جلد ہذا،

مفسر پارنس، انجیل یوحنا کے باب ۲۱ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ:۔

"یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی ہو جو بآسانی غلطی میں مبتلا کرسکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید پختگی ہوگئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا"

ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ:۔

"غالب یہ ہے کہ مسیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھالیا جائے گا"

پھر وہ کہتے ہیں کہ:۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر و رائج ہوگئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تحریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدر کم اعتبار ہوگا؟ اور یہ تفسیر ہماری روایت ہے، عیسیٰؑ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے"

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ:۔

"حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا، جس کی تصریح انجیلی نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی"

۱؎ "پس بھائیوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا" (یوحنا ۲۱: ۲۳)

ان مفسرین کی تفسیر کی بنیاد پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے غلط سمجھا، اور جب اُن کا عقیدہ قیامت کے باب میں اسی قسم کا ہے جیسا کہ یوحنا کے قیامت تک نہ مرنے کا، تو ظاہر ہے کہ اُن کے وہ اقوال[1] جو اُن کے دور میں وقوعِ قیامت ظاہر کرتے ہیں، ان سے اُن کے ظاہری معنی سمجھے جائیں گے، اور غلط ہوں گے، اور اُن کی تاویل کرنا یقینی طور پر مذموم اور نامناسب ہوگا، اور کلام کی ایسی توجیہہ کے مرادف ہوگا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو، اور جب غلط ہوتے تو الہامی نہیں ہو سکتے،

پیلی کی عبارت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جن معاملات کا تعلق دین سے نہیں ہے، یا دینی امور میں اُن کی اتفاقیہ آمیزش ہو گئی ہے اُن میں غلطی واقع ہونے سے ملّتِ مسیحی کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا،

تیسرے یہ کہ انھوں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ حواریوں کے دلائل اور تشبیہات میں غلطی واقع ہونے سے کوئی بھی مضرت نہیں پہونچتی،

چوتھے انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ارواحِ خبیثہ کی تاثیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی، بلکہ خالص وہم کی پیداوار اور واقعہ میں غلط ہے، اور ایسی غلطیاں حواریوں اور عیسیٰؑ کے کلام میں بھی اس لئے موجود ہیں کہ وہ اس ملک اور زمانہ کی رائے عامہ قرار پا چکی تھی،

اب ان چار باتوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آدھی انجیل سے زیادہ حصہ الہامی ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کی رائے کے مطابق صرف احکام اور مسائل الہامی رہ جاتے ہیں، اور یہ رائے اس کے امام جناب لوتھر کی

[1] یہ اقوال ص ۵۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں،

رائے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لوتھر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی مقرر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسٰیؑ کو حاصل ہے، لہذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:

وارڈ کیتھولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:۔

① "زونکلیس وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے"

② "مسٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

③ "ڈاکٹر کوڈ اُس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادر کیم کے درمیان ہوا تھا کہتا ہے کہ: پطرس نے رُوح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں غلطی کی"

④ "برنشس جس کو جویل نے فاضل ، مرشد کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ رئیس الحوارین جناب پطرس اور برنبا نے روح القدس کے نزول کے بعد غلط بیانی کی، اسی طرح یروشلیم کے گرجا نے بھی"

⑤ "جان کالوین کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اضافہ کر دیا، اور مسیحی

آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا، اور مسیحی توفیق کو دور پھینک دیا"

(۶) "میکڈی برجنس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیانی کو منسوب کیا ہے"

(۷) "دانی ٹیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گرجوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پطرس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے رُوح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں"

(۸) "زنکیس نے اپنے رسالہ میں کالوین کے بعض پیرووں کا حال ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر پولس جنیوا میں آئے اور کالوین کے مقابلہ میں وعظ کہے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالوین کی بات سُنیں گے"

(۹) "لوا تھردس لوتھر کے متبعین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر لوتھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے، اسی طرح اسبرگ کے کلیسا کے عقائد کی کتاب میں شک کرنا ممکن نہیں ہے"

جن علماء کے اقوال بیان ہوتے یہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے اونچے طبقہ کے لوگ ہیں، جنھوں نے طے کر دیا ہے کہ عہدِ جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے،

ایکہارن اور جرمنی علماء کا اعتراف:

فاضل ٹورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر بوسٹن میں ۱۸۳۷ء میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی جلد کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ:۔

"ایکہارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہے کہ اصلی انجیل وہی ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدین کے لئے تھی جنھوں نے اپنے کانوں سے مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے، یہ انجیل بمنزلۂ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار درج نہ تھے"

غور کیجئے ایکہارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مروّجہ انجیلوں سے انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلۂ قالب کے نہیں ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں یسوعؑ کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتدائی دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا مأخذ تھی، اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیلیں دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ کمی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آگئیں، جنھوں نے اس نقصان کی تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے: رسیون کی انجیل

ٹ یشن وغیرہ کی انجیل، اُنھوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کر دیا، مثلاً نسب کا بیان، ولادت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسٹن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو اجزاء ہم تک پہونچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز[1] جو آسمان سے سُنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ "تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" جیسا کہ جسٹن نے دو جگہ نقل کیا ہے، اور کلیمنس نے یہ فقرہ ایک مجہول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ "تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ "تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں" جیسا کہ مرقس نے اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ابیونی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ "تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے" جس کی تصریح ایپی فانیس نے کی ہے،

اور مسیحی تاریخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈمڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قلبی اطمینان کے لئے مسیح کے اصطباغ[2] کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمالیں، اس خلط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ سچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کسی طویل روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بدشکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

---

[1] اس کی تفصیل کے دیکھئے صفحہ ۲۲۹ کا حاشیہ، [2] دیکھئے صفحہ ۴۱۲ اختلاف ۴۵

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کر لی، پھر کلیسا نے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ سچی انجیل کی حفاظت کرے، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالات پہونچائے، تو اس زمانہ کی مروجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ معتبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی پتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تخمیناً دو سو عیسوی میں ارینیوس ہے، اور اس نے اُن کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۲۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب التسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کر لی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ لوگ انکے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس اصل انجیل کو جو گذشتہ واعظوں کو اپنے وعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجرد اور پاک کر دیتا اور انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کر لیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکرگذار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بناء پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع ناپید

تھے، جن سے اصل میں اور الحاقات میں امتیاز کیا جا سکے،

پھر اکہارن حاشیہ میں کہتا ہے :-

"بہت سے متقدمین کو ہماری ان انجیلوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ اس کی تفصیل پر قادر نہ ہو سکے"

پھر کہتا ہے کہ :-

"ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لئے کسی کتاب میں تحریف کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سُنی گئی ہے، مگر اُس زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اِس زمانہ سے مختلف ہے، اس لئے ایک نسخہ جو کسی کا مملوک تھا اُس کے لئے اس نسخہ میں تحریف کرنا ممکن تھا، اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہو سکی کہ یہ نسخہ صرف مصنف کے کلام پر مشتمل ہے یا نہیں، پھر یہ نقول لاعلمی کی وجہ سے پھیلتی چلی گئیں اور بہت سے نسخے درمیانی دَور کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی عبارتوں اور ناقص عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کاتبوں اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدّت بعد اُن میں تحریف کر ڈالی تھی، اور دیونی سشس کے رسالوں میں اُن کی نقول کے منتشر ہونے سے پہلے ہی تحریف کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ابلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں میں گندگی داخل کر دی، بعض چیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جانب

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بنا پر کتب مقدسہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تحریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مغلظ قسمیں دی تھیں، تاکہ کوئی شخص اُن کے کلام میں تحریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰؑ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ پھر سلسوس[1] کو یہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تحریف کی، اور بعض انجیلوں میں بعض وہ فقرے جو مسیحؑ کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؛ مثلاً ابیونی کی انجیل میں مسیحؑ کے اصطباغ کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلوں میں اور تذکرہ میں (جس سے جسٹن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح ایپی فانیس نے کی ہے۔"

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ:-

"جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مرادف لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیحؑ کے اُن حالات کو جو اُن کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور یہ قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

---

[1] دوسری صدی کا ایک بت پرست عالم ۱۲

ہوئی تھی، کہ دینِ مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسوس عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۰ میں اس فقرہ کے عوض [1] میں کہ "آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے"۔ بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ "وہ لوگ کامل ہوں گے" اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ "وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں ان کو کوئی اذیت ہو گی"۔

اکہارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد نورٹن کہتا ہے کہ:۔

"کسی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ فقط اکہارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں ...... اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبولِ عام نصیب نہیں ہوا، اور اناجیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے موافق ہے، اسی طرح اُن چیزوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام عائد ہوتا ہے"

اور چونکہ نورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکہارن کے کلام کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابلِ التفات چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس کے

---

[1] پورا فقرہ یہ ہے "مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے" (۵: ۱۰)۔

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراف کیا ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقاماتِ ذیل محرف اور الحاقی ہیں، مؤلفین انجیل کے نہیں ہیں:

۱، اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ "انجیل متی کے پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں"

۲، صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ:-

"یہوداہ اسکریوتی کا واقعہ[1] جو انجیل متی باب ۲۷ میں مذکور ہے آیت ۳ تا آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھایا گیا ہو"

۳، اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں[2]،

۴، صفحہ ۷۰ پر کہا ہو کہ انجیل مرقس باب ۱۶ کی ۱۲ آیتیں از ۹ تا ۲۰ من گھڑت ہیں[3]،

۵، صفحہ ۸۹ میں کہا ہو کہ "انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۴۳ و ۴۴ الحاقی ہیں[4]"۔

---

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کھیت کی فروختگی کا واقعہ، جو صفحہ ۴۳۰ پر پیچھے گذر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں

[2] "اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم اُن مقدسوں کے جو سوگئے تھے جی اٹھے، اور ان کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے" (۲۷: ۵۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۲۸۲

[3] ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۴۷ کے حاشیہ و ص ۴۲۵، ۱۶۱ پر گذر چکی ہے ۱۲

[4] اس میں حضرت مسیح کی مبینہ پھانسی سے ایک رات قبل جبلِ زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور کہا گیا ہو کہ "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تقویت دیتا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعاء کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا" (لوقا ۲۲: ۴۳ و ۴۴) لیکن ہورن نے اس آیت کو صحیح اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہو (دیکھئے ۵، ۸، ج ۱۲) نیز آخری جلد میں چھٹے باب کے عنوان "ساتویں بات" صفحہ ۱۱۵۵ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں قدرے تفصیلی بحث کی ہے، اسے ضرور ملاحظہ فرمایا جائے ۱۲ تقی

۶، صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے کہ:۔

"انجیل یوحنا باب ۵ کی آیت ۳ و ۴ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے:۔

"پانی[1] کے ہلنے کے منتظر ہو کر ...... کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اُتر کر پانی ہلایا کرتا تھا، پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اُترتا سو شفا پاتا، اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو"

۷۔ صفحہ ۸۸ میں کہتا ہے کہ:۔

"انجیل یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۴ و ۲۵ دونوں الحاقی[2] ہیں"

ظاہر ہے کہ یہ سات مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں ہو سکتے،، پھر صفحہ ۱۱۰ پر کہتا ہے کہ:۔

"ان معجزات کے بیان میں جن کو لوقا نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا ہے، اور کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے"

بتائیے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکہارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار باتیں ہیں:۔

---

[1] پوری عبارت اس طرح ہے:۔ "ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ پانی ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ" بیت حسدا کے نام نہاد صحت آفریں حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

[2] اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۴۱۵،

۱۔ اصل انجیل ناپید ہوچکی ہے،

۲۔ موجودہ انجیلوں میں سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،

۳۔ ان انجیلوں میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے، بُت پرست علماء میں سے سلسوس دوسری صدی میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ بدلا ہے، یہاں تک کہ اس کے مضامین بھی تبدیل ہوگئے،

۴۔ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان چاروں انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،

پہلی بات میں اُن کی رائے کے قریب لیکلرک اور کوب دمیکالمیس، اور لسنگ اور تیمیر ومارش کی رائے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ غالباً متی، اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیحی احوال لکھے ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چہارم صفحہ ۲۹۵ میں کی ہے، لیکن اس کو اُن کی رائے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے کچھ مضرت نہیں پہونچتی،

کتابُ تواریخ کے بارے میں اہلِ کتاب کا اعتراف:

تمام اہلِ کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا پیغمبر نے حجیؔ اور زکریاہ کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پیغمبر ہیں، اس لئے یہ دونوں کتابیں حقیقت میں تینوں پیغمبروں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتاب تواریخ اوّل میں بہت سی غلطیاں ہیں، چنانچہ اہلِ کتاب کے دونوں فریق کہتے ہیں کہ:۔

مصنف کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پوتا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا"

یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

"جس عزرا نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیٹے ہیں یا پوتے؟ اور عزرا کو نسب کے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص تھے، اسی طرح اس کو غلط و صحیح میں تمیز نہ ہو سکی"

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۱ میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھروسہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہلِ کتاب کے نزدیک اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی لازم نہیں، نتیجۃً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،

اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت یا ان میں درج شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد:

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصلی توریت اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں اُن کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں، پھر بعد میں اُن کے اندر تحریف کی گئی، حاشا وکلا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعۃً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابلِ قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اُن جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک کوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

رہے وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے بعد باقی تھے، اُن کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، اُن کی نسبت ہم نبی ہونے کا خیال نہیں رکھتے، اُن کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جس میں غلطی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہجانا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہوسکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بنا پر اُن کے اقوال سے بھی امن اُٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، رہے لوقا اور مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحبِ الہام

ہونا معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی، اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ،	"اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی (یعنی توریت)۔"

اور سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:-

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ،	"اور ہم نے انھیں انجیل عطا کی۔"

اور سورۂ مریم میں خود حضرت مسیحؑ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَاٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ،	"اور اللہ نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل)۔"

اور سورۂ بقرہ و آلِ عمران میں ہے:-

وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی،	"اور وہ (کتابیں) جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئیں (یعنی توریت و انجیل)"

رہی یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں ہیں، جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب التسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے، نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب،

سورۂ مائدہ میں خدا نے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ	"اور (اے نبی) ہم نے آپ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ، سچائی کے ساتھ بھیجی ہو اس حالت میں کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے"

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ:-

"اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریج نے کہا ہے یہ ہے کہ اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیبؒ اور ضحاکؒ نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیلؒ نے نگہبان اور محافظ بیان کئے ہیں، حاصل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا ہو تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہو"

تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:-

"اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اس سے ساکت ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے"

امام بخاریؒ نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی، پھر کتاب الرد علی الجہمیہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،

...... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسطلانی رحؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں:

(کیف تسئلون اهل الکتاب) من الیهود والنصاریٰ والاستفهام انکاری عن شیٔ من الشرائع (وکتابکم القرآن الذی انزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم احدث) اقرب نزولا الیکم من عند الله فالحدوث بالنسبة الی المنزل علیهم وهو فی نفسه قدیم (تقرؤنه محضا) خالصا لم یشب بضم اوله وفتح المعجمة لم یخلط فلا یتطرق الیه تحریف ولا تبدیل بخلاف التورٰة والانجیل،

(وقد حدثکم) سبحانه وتعالیٰ (ان اهل الکتاب) من الیهود وغیرهم (بدلوا کتاب الله) التوراة (وغیروه وکتبوا بایدیهم الکتاب وقالوا هو من عند الله لیشتروا به ثمنًا قلیلا الا) بالتخفیف (لاینهاکم ما جاءکم من العلم) بالکتاب والسنة، (عن مسئلتهم) بفتح المیم وسکون السین ولابی ذرعن الکشمهینی مساءلتهم بضم المیم وفتح السین بعدها الف (لا والله ما رأینا منهم رجلا یسألکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولی ان لاتسئلوهم)،

"تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کوئی حکم شرعی کیوں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ نہیں

لہ عربی میں قوسین کے درمیان حدیث کا متن ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانی رحؒ کی تشریحات ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور اُن کے علاوہ علامہ قسطلانی رحؒ کی شرح

پوچھنا نہیں چاہیے) حالانکہ تمھاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے۔ اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفسہٖ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو یعنی اس میں کوئی بیرونی چیز نہیں ملی، اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پا سکتی، بخلاف تورات وانجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہلِ کتاب یعنی یہود وغیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حقیر معاوضہ ملے، کیا تمھارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟

نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمھیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہیے ۔"

اور کتاب الرّد علی الجہمیہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے:-

"اے مسلمانو! تم اہلِ کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے۔ تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظاً یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہلِ کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پاس سے آیا ہے. تاکہ اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہونچ چکا ہے، وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پہونچنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہی) نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جب تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرّف ہے"

کتاب الاعتصام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ:۔

"اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہلِ کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اُن میں جھوٹ بھی پایا ہے"

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تحریف شدہ کتابیں اور تبدیل کی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بنا پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ تو صحابہؓ کے نزدیک نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ "اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں" صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہلِ کتاب کی کتابیں محرّف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس تورات اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، اُن میں سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں؛

کتاب تخجیل مَن حرّف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب ۲ میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:۔

"یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی جانب سے اُتاری گئی تھیں"

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ :-

"اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی"

پھر باب ۹ میں عیسائیوں کی قباحتوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا، کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو بہکایا جاسکتا ہے اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا"

غور کیجئے! ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے!
میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تقریروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہے جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے، انھوں نے بعض علماء پروٹسٹنٹ کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خود غلط فہمی کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں، تو مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انھوں نے پوچھا تو علماء نے یہ لکھا کہ یہ مجموعہ جو آجکل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،

فتویٰ حاصل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالۂ مناظرہ کا جزو بنا دیا گیا ہے، تمام ہندستان

کے علماء کا فتویٰ دھلی کے علماء کے اس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہر خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انھوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،

امام رازیؒ کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب النبوۃ کی قسم ۲ فصل چہارم فرماتے ہیں کہ :-

"عیسیٰ علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انھوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہی کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں چہ جائیکہ جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہوگیا کہ یقیناً انھوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوتِ توحید اور تنزیہہ تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہوسکی، بلکہ لپٹی ہوئی اور گمنام رہی، اور یہ ثابت ہوگیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہوسکا"

امام قرطبیؒ کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسمّٰی کتاب الاعلام بما فی دین النصاریٰ من الفساد والاوہام باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

"جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انھوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہے وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ[1]

پھر انھوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور جن کرامات کا انھوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کرسکتیں، اور نہ ان کی نبوّت پر دلالت کرسکتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلّغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ :-

"اس بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہے، اور نہ اُس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے، اس لئے ناقلوں میں غلطی اور سہو کا امکان ہے، لہٰذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہوسکتی ہے اور نہ غلبۂ ظن، اس لئے نہ وہ قابلِ التفات ہے، اور نہ استدلال کے لئے قابلِ اعتماد ہے، یہ امر اس کے رَد کے لئے اور اس میں تحریف کی صلاحیت ہونے اور اس کے مضامین کے لائقِ اعتبار نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہوجاتی ہے"

اس کے بعد انھوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ :-

---

[1] ترجمہ: "اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری" ۱۲ تقی

"اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ توریت وانجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں، اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے، اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کردی ہے، پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہوسکتی ہو جو اُن کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود ہی قیاس کرلیجئے، کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ جو نہ اُن کی طرح مشہور ہیں، نہ خدا کی طرف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور قبولِ تحریف میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی"

یہ کتاب[1] قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں موجود ہے،

علامہ مقریزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تواریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :-

"یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین[2] جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

---

[1] یعنی کتاب الاعلام جس سے علامہ قرطبی کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں ۱۲

[2] توریت سبعین، اس سے مراد مشہور "ہفتادی ترجمہ" Septuagint ہے، جو عہد قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے، اور اس کو ہفتادی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیعزر سردار کاہن کی خواہش پر یروشلم سے ستر مترجمین (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا، بعد میں اسی ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا، اور آج تک اکثر تراجم کا ماخذ یہی رہا ہے (از برٹانیکا مقالہ The Septuagint ص۳۳۵ ج ۲۰)

وتبدل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں، سامری کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے، اور اس کے علاوہ جس قدر توریت ہیں وہ باطل ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے،

بعینہ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں جمع کر دیئے گئے ہیں، اول متی کی انجیل ہے، دوسری مرقس کی، تیسری یوحنا کی چوتھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں، اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں، ان کی دعوت کے زمانہ میں، سُولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابل تحمل ہے، اس کے باوجود مرقیون[۲] والوں ـــــــ

---

[۱] اگرچہ یہ ترجمہ یہودیوں کا تیار کیا ہوا ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسا نے اس عہد عتیق کا مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہو گئے، (بائبل ہینڈ بک)، نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے یہ انکار محض کلیسا دشمنی میں کیا، یا واقعی عیسائیوں نے اس میں تحریف کر ڈالی تھی،

[۲] مرقیون Marcion عیسائیوں کے فرقہ مرقونیہ کا بانی، یہ پنطس کے شہر سنوپ میں پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تقریباً ۱۴۰ء میں عیسائی ہوا، اور ۱۴۴ء کے لگ بھگ اس نے اپنا الگ فرقہ قائم کیا، جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک عرصہ تک نوعِ انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار رہی، پھر ایک اور خدا نے جو منصف اور رحم دل تھا اپنے بیٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو حواری بھی ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انھیں صحیح سمجھا، اور اُسے درحقیقت یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بھی کماحقہ نہیں سمجھا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ابن ویصان[۵۱] والوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہے جس کے بعض حصے اناجیل کے مخالف ہیں، مانی[۵۲] کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہے جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہی صحیح ہے؛ اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل اور ہے جس کا نام انجیل السبعین ہے، جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہلِ کتاب کے درمیان اس قدر شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے کے بس میں نہیں ہے تو پھر اُن کی جانب سے اُس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ناممکن ہے، اور اس سلسلہ میں اُن کی کوئی بات بھی لائقِ اعتماد نہیں ہو سکتی "

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں یوں کہا ہے کہ :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہو گیا، پھر منصف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور پولس کا سچا پیغام سناتا ہوں، وہ مروّجہ انجیل کو تحریف شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ انجیل بنائی تھی، جسے وہ سچی انجیل کہتا تھا، اس فرقہ کے متبعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور کچھ مغرب کے علاقوں میں تھے، ۱۵۰ء سے ۲۵۰ء تک اُن کا عروج رہا، اور یہ کلیسائے اعظم کے لئے خطرہ بنے رہے، پھر اُن کا زور ہلکا ہو گیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہو گیا (از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ "مرقیون" ص ۸۶۸ ج ۱۴)

[۵۱] اس کی سوانح اور عقائد کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا ۱۲

[۵۲] "مانی": ایران کا مشہور فلسفی اور "مانوی" مذہب کا بانی جو ۲۱۶ء میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ خدا صرف روشنی کا خالق ہے، جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک حد تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض کتابوں کو مانتا تھا (برٹانیکا مقالہ Manichaeism)

"وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا"

پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیلِ اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہی، اور کہا ہے کہ:-

"عیسیٰؑ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تناقض ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمت رکھدی"

ہدایۃ الحیارٰی فی اجوبۃ الیہود والنصارٰی کے مصنف کہتے ہیں کہ:-

"یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف پائی جاتی ہے جو ماہرینِ علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اُن کو خوب یقین ہے کہ یہ تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰؑ پر نازل ہو چکی تھی اس میں اُن کو سُولی دیئے جانے کا واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر نکل آنا وغیرہ وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے اکابر کا کلام ہے"

پھر کہتے ہیں کہ:-

"بہت سے علماء اسلام نے اس کمی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے"

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب ۲ کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعوی کی سچائی روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائے گی، ضرورت تو نہ تھی کہ اس باب میں مزید اور کچھ لکھا جائے، مگر بعض مصالح کے پیشِ نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں :-

دو مغالطے

علماء پروٹسٹنٹ عوام کو فریب دینے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیمنس اور اگناشس وغیرہ نے دی ہے جو اُن دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں،

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے، اور لوقا نے پولس کی مدد سے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور پولس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں اس لحاظ سے الہامی قرار پائی ہیں،

پہلے مغالطہ کا جواب :-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص سے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری کتاب اس کی زبان سے خود سُنی ہے، یا اس کو کوئی سُنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہے، اور اُس واسطہ با واسطوں کا معتبر اشخاص ہونا ضروری ہے جن میں روایت کی تمام شرطیں جمع ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نوع کی سند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک عیسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہے، ہم نے متعدد مرتبہ اسی سند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری فرنچ[1] نے مجلسِ مناظرہ میں یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی سند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں ۳۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ سند ردمی پادری کلیمنس یا اگناشئس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بناء پر یہ حضرات کتب مقدسہ کو ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو سند کا نام نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقے سے مشہور ہو گئی تھیں، کہ ان میں تحریف کئے جانے کی

---

[1] جب مصنفؒ کا پادری فنڈر سے مشہور مناظرہ ہوا تھا، تو فنڈر کی جانب سے پادری فرنچ بطور معاون مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم ۱۲ تقی

پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراف کرتے ہیں جیسا کہ باب ۲ میں
عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیمنس اور اگناشس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں
تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے!

کیا کلیمنس کا خط اناجیل سے ماخوذ ہے؟

روم کے بڑے پادری کلیمنس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اُس نے
"رومی گرجا" کی جانب سے کرنتھس کے گرجا کو لکھا تھا، اس کے سالِ تحریر میں بھی اختلاف
ہے، چنانچہ کنٹربری کہتا ہے کہ "یہ سال ۶۴ اور ۷۰ کے درمیان کا کوئی سال ہے"
لیکلرک کا قول ہے کہ ۶۹ء ہے، ڈیوپن اور ٹلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیمنس ۹۱ء یا ۹۳ء
تک اسقف نہیں بنا تھا، پھر جب اُس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو ۶۴ء
یا ۷۰ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے؟

مشہور مورخ ولیم میور نے ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈنر نے ۹۶ء
کو ترجیح دی ہے،

ہم اس اختلاف سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سالِ تحریر
عیسائی دعووں کے مطابق بہرحال ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے
بعض جملے اُن چاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے
کسی مضمون میں متحد اور موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوے
کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں،

یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے:-

۱- بعض مضامین کے اتحاد سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، ورنہ یہ بات لازم آئیگی

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ ملحد کہتے ہیں[ل]، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہو کہ انجیل میں جو اخلاق حسنہ کی تعلیمات لنظر آتی ہیں، وہ حکمار اور بت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکسیہومو کا مصنف کہتا ہے کہ:-

انجیل میں اخلاق فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر عیسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ لفظ بہ لفظ کنفیوشس[ع] کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو ولادت مسیح سے ۰۰ ۶ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہو کہ: دوسرے کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہو، کیونکہ یہ تمام اخلاق کی جڑ ہے؛ خلق نمبر ۱۵ میں ہے کہ: اپنے دشمن کی موت مت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے؛ خلق نمبر ۵۳ میں ہے کہ: ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوئے ممکن ہو، اور طبعی خیالات ہمیشہ بُرے نہیں ہوتے؛ اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان و یونان کے حکما کے کلام میں موجود ہیں"

۲ ، اگر کلیمنس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کئی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہو، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

ل یعنی ابرلزم کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور معقولیت پسند Rationalist کہتے ہیں ۱۲

ع کنفیوشس (Confucious) اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب و اخلاق پر بیحد اثر انداز تھا، (پیدائش ۵۵۱ ق م، وفات ۴۷۹ ق م) اسی کی نسبت سے چین کے سابق نظریہ حیات کو "کنفیوشزم" کہا جاتا ہے، ۱۲ تقی

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے اُن انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مروّج تھیں، چنانچہ اکھارن نے اس جملے کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جس کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۲، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور مسیح کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرقس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مروّجہ انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہوگا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلاتحمل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعی بے محل ہے، ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (تثلیث کے عدد کی رعایت سے) نقل کرتے ہیں :۔

کلیمنس کے خط کی عبارت :۔

"جو شخص عیسیٰؑ سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسیٰؑ کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے"

مسٹر جونس کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ سے نقل کیا ہے، آیت مذکورہ یوں ہے کہ :۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے"

دونوں عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جونس صاحب نے محض اس کی بنا پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس فرق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض ہٹ دھرمی ہے، جس کی وجہ پچھلے اسبابِ ثلاثہ..... میں آپ معلوم فرما چکے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے غلط ہو، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا سالِ تحریر جملہ اقوال کے پیش نظر ۹۶ء سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود اُن کی رائے کے مطابق انجیل یوحنا ۹۸ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فقرہ اس انجیل سے کیونکر منقول ہو سکتا ہے؟ مگر سند ثابت کرنے کے جنون نے اس باطل وہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ میں کہتا ہے کہ:-

"یوحنا نے اپنی انجیل کریزاسٹم اور ایپی فانیس جیسے متقدمین اور متاخرین میں سے ڈاکٹر مل اور فیبری شیس، لیکلرک اور بشپ ٹاملائن کی رائے کے مطابق ۹۷ء میں لکھی ہو اور مسٹر جونس کی رائے کے مطابق ۹۸ء میں لکھی ہے"

اس کے علاوہ یہ چیز بدیہی ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی وصیت پر عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈ نر مفسر نے بڑی انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۴۰ پر کہا کہ

"میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہو، اس لئے کہ کلیمنس حواریوں کے دستخط اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے"

دُوسری عبارت:-

اس کے خط کے باب ۱۳ میں ہے کہ:-

"جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ رُوح القدس نے یوں کہا ہے کہ عقلمند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انھوں نے بردباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کرو، تاکہ تمھاری خطا سے درگذر کی جائے، جیساکہ تم دوسروں کے ساتھ برتاؤ کروگے وہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا تم دوسروں کو دوگے ویساہی تم کو دیا جائے گا، جیسا کروگے ویسا بھروگے، جیسا تم دوسروں پر رحم کھاؤ گے تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیمانے سے تم دوسروں کو ناپ کر دوگے اُسی پیمانہ سے تم کو ناپ کر دیا جائے گا“

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب ۶ آیت ۳۶، ۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب ۷ آیت نمبر ۱ و ۲ و ۱۲ سے نقل کی ہے، اور لوقا کی عبارت اس طرح ہے کہ :-

”جیسا تمھارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے خلاصی دو، تم بھی خلاصی پاؤ گے، دیا کرو، تمھیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیمانہ داب داب کر اور ہلا ہلا کر اور لبریز کرکے تمھارے پلے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے لئے ناپا جائے گا“ (آیات ۳۶ تا ۳۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

”عیب جوئی نہ کرو کہ تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمھاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے واسطے ناپا جائے گا“ (باب ۷، آیت ۱ و ۲)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ کریں، وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو“

کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے "

تیسری عبارت:

اس کے خط کے باب ۴۶ میں یوں ہے کہ:-

"خداے مسیح کے الفاظ یاد کرو، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے بڑی خرابی اور ہلاکت ہے جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ ان لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے جو میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں چکی کا پتھر لٹکا لیتا اور دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو اذیت دے "

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیمنس نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۲۴، اور باب ۱۸ کی آیت ۶ سے، اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ سے، اور انجیل لوقا باب ۱۷ آیت ۲ سے نقل کی ہے،

اور یہ آیات اس طرح ہیں:

انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۴ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے، لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا "

اور باب ۱۸ آیت ۶ میں ہے کہ:-

"جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہرے سمندر میں ڈبو دیا جائے"

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۴۲ میں ہے:-

"جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور وہ سمندر میں پھینک دیا جائے"

اور انجیل لوقا باب ۱۷ آیت ۲ میں ہے:

"ان چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے یہ مفید ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا"

لارڈنر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں کلیمنس کی عبارت اور انجیلوں کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد یوں کہتا ہے کہ:-

"میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیئے ہیں، تاکہ ہر شخص اچھی طرح پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا باب ۱۷ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے"

کلیمنس کے خط کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو سند کا دعویٰ ہے سب سے بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پیلی نے ان دونوں پر اکتفاء کیا ہے، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی ضرور تصریح کرتا، اور اگر صراحۃً نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو ہوتی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر نقل کا احتمال صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ بات کتنی عجیب ہو کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جاؤ ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے سماعاً واقف تھے،

اور اگر ہم نقل کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں کسی دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بپتسمہ کے حالات کا ایک فقرہ ایک مجہول الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اکہارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے،

پیرس کے اسقف نے انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ہو کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، لارڈنر نے اپنی تفسیر کی جلد میں ان دونوں عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:-

"وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دوسرے متبعین کی صحبت میں رہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے احوال و مسائل سے پوری طرح واقف تھے جب ہم اُن کی تالیفات دیکھتے ہیں تو اکثر اوقات اشکال پیش آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس مقام پر جو اشکال ہو وہ یہ کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے لکھے ہوئے اقوال نقل کرتا ہے، یا کرنتھس والوں کو ان کے وہ اقوال یاد دلا رہا ہے جو اُس نے اور ان لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سُنے ہیں، لہٰذا لیکلرک نے تو اوّل کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو،

ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے تالیف

ہو چکی تھیں، پھر اگر کلیمنس اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہے، اگرچہ لفظ وعبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعۃً نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور کرنتھس والے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی یہی تعلیم ہمارے خداوند نے بردباری اور ریاضت سکھانے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہے، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے لیکلرک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۳۵ میں مقدس پولس نے یہ نصیحت کی ہے کہ:

"اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے خود کہا دینا لینے سے مبارک ہے"

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ پولس نے یہ قول کسی

مکتوب سے نقل نہیں کیا، بلکہ ان سچی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جائے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقین ہو کہ وہ لکھی ہوئی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے "

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہو کہ کلیمنس نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بنار پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہر دو صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح مؤلفینِ انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہو گی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہٖ نقل نہیں کیا ہوگا،

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیمنس کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیحؑ کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری جھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیمنس کے مکتوب کے بعض فقرے اُن کے موافق ہیں،

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولیکارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے[1]،

[1] یعنی خود واقف ہونے کے باوجود مروّجہ انجیلوں سے نقل کرتا ہو ۱۲

کیونکہ یہ شخص بھی کلیمنس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے اس کا انجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پولس جیسی[1] ہو

اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت:

کلیمنس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب سے بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو انطاکیہ کا اسقف تھا، لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:۔

"یوسی بیس اور جیروم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں، میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور سوائے مسٹر وسٹن اور دو یا چار اس کے متبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخہ میں اضافہ کیا گیا ہے، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جا سکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے، جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخہ کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنا دیا گیا، یہ بات نہیں ہے کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

---

[1] یعنی جس طرح پولس نے اعمال ۲۰: ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر دئیے ہیں جو انجیلوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح عین ممکن ہے کہ پولیکارپ نے بھی ایسا ہی کیا ہو،

منقولات بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں؛

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخہ کے خطوط کیا واقعی اگناشس کے لکھے ہوئے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑائے ہیں، فریقین کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پیچیدہ ہوگیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی بیس نے پڑھا اور جو آریجن کے عہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے اگناشس کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کرلیں کہ یہ فقرے الحاقی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فقروں کی وجہ سے رد کردیں بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فرقۂ ایرین[1] کے کسی شخص نے بڑے نسخہ میں اضافہ کر دیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فرقہ کے کسی شخص نے یا دینداروں میں سے کسی نے یا دونوں میں کسی شخص نے چھوٹے نسخہ میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا"

محشی بیلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ:-

"گزشتہ زمانہ میں اگناشس کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا جس کو کیوریٹن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

---

[1] فرقۂ ایرین، وہ فرقہ جو آریوس کا پیرو تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور جسے نیقیہ کی کونسل میں رد کیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح آسٹر نے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے"

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوتے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسٹر وسٹن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے نزدیک جعلی اور محرّف ہے، اس لئے وہ بھی لائقِ اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصلی ہے یا جعلی؟ اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین گئے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں اُن کے قول کی بناء پر بھی اس میں تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا "فرقہ ایرین" کا کوئی فرد ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی میں گھڑا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کی جعلسازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی، چنانچہ تقریباً ۷۵ انجیلیں اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰؑ اور مریمؑ اور حواریوں کی طرف منسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرینِ قیاس ہے، بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب منسوب کر دیئے گئے ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی . اور اس کی نسبت . . . .

ٹیشن کی جانب کر دی گئی[1]، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :

"وہ اصل تصنیف جو ٹیشن کی طرف منسوب تھی وہ معدوم ہو چکی ہے، اور جو اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک کرنا درست ہے"

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کرلیں کہ یہ خطوط اگناشس ہی کے ہیں تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب اُن میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتماد اُٹھ گیا پھر جس طرح اُن کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعلی ہوں، اور اس قسم کی باتیں اُن لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوسی بیس اپنی تاریخ کی کتاب رابع باب ۲۳ میں کہتا ہے کہ :-

"کورنتھیہ کے اسقف دیونی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیاطین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوہرا دکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں میں ایسا ارادہ کر چکے ہیں جو اُن کے مرتبہ کی نہیں ہیں"

---

[1] انجیل ٹیشن اسے ڈائیا ٹیسرن Diatessaron of Tation بھی کہا جاتا ہے، جی ٹی مینلی لکھتا ہے: "یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں اناجیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا، لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں" (ہماری کتب مقدسہ ص ۳۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :-

"آریجن کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہوچکی ہیں، اس کی بہت سی تفسیریں موجود بھی ہیں، مگر اُن میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو اُن میں تحریف واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے"

معلم میکائیل مشاقہ جو پروٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب اجوبۃ الانجیلین علی اباطیل التقلیدین کی قسم اوّل فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ :-

"رہا ان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تحریف کرنا تو پہلے ہم اس کے دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی ہمارے دعاوی بھی اُن کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب قنتین جو یوحنا فم الذہب[1] کی طرف منسوب ہے، اور جس کی تلاوت کنیسوں میں کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گروہ کے پاس ہے وہ دوسرے گروہ کے نسخہ سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ رومیوں کے نزدیک اس میں خدا سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک روح[2] روٹی اور شراب پر نازل فرماکر ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کرکے آسانی کر دیں، مگر کیتھولک کے نزدیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر روح القدس کو بھیجے

---

[1] یہ کریزاسٹم Chrysostome کا عربی نام ہے، نہایت فصیح و بلیغ مقرر ہونیکی وجہ سے اسے "فم الذہب" (سونے کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ ۳۴۷ء میں انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک عرصہ تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، ۴۰۷ء میں انتقال ہوا (المنجد فی العلوم)۔

[2] اس میں "عشاء ربانی" کی رسم کا تذکرہ ہے، بات پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۳۴۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲ تقی

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کرلیں، لیکن آقائے کجیمورس کی امارت کے زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کر ڈالا، اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونیوالی اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے بھاگ گئیں کہ رومیوں نے ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا ہے مگر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک روح اس روٹی پر جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے بھیج دے، اس میں انقلاب پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول فم الذہب ہی کا ہو، کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب و استحالہ کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوئی تھی لیکن سردار یا بیطامطران جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۷۲۲ء میں رومیوں کے مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس "ہمارے قداس کے طقس"[۲] میں یونانی عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخہ سے کیا جو

---

[۱] اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، اہلِ علم کی طبع آزمائی کے لئے اصل عربی عبارت حاضر ہے:- "وقالوا المنتقلان المستحیلان ھربا من دعوی الروم علیھم بان الاستحالة تتم بہ"

[۲] "طقس" کلیسا کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہے قربانی، نماز، عیدوں کے اعلان وغیرہ کی دینی خدمات کا نظام ہے، جو جماعت یا افراد ان خدمات کو انجام دیتا ہے انھیں بھی "طقس" کہہ دیا جاتا ہے، اور "قداس" ایک خاص قسم کی قربانی ہے (المنجد فی العلوم) ۱۲ تقی

باسلیؔ راہبوں کا ہے، ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکفورس نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قداس الروم میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، پھر جب ایسے قدیس کی افشین میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آباء کے درمیان مشہور رہی، جس کی تلاوت تمام فرقوں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کیا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آباء کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عنوانات کو اُن کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تحریف نہیں کی ہوگی؟

خود ہمارا مشاہدہ قریب کے چند سالوں کا یہ ہے کہ شماس[2] غیریل قبطی کیتھولک نے یوحنا فم الذہب کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارف سے کی، اور روم کے علماء

---

[1] اس سے مراد راہبوں کا وہ فرقہ ہے جو رہبانیت کے سلسلہ میں باسیلیوس (Basile) کی پیروی کرتا ہے، باسیلیوس ۳۲۹ء، ۳۷۹ء قیصریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں رہبانیت (ترکِ دنیا) کو ایک باقاعدہ نظام بنایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہبانیت کی ابتداء کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب سے پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف بھی ہیں، (المنجد و تواریخ کلیسائے روم) ۱۲

[2] شماس Deacon کلیسا کا ایک عہدہ جسے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے،

نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک محقق نسخہ اخذ کیا، لیکن سردار مکیمیوس نے شویر[1] کی خانقاہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پادری الیکسیوس اسپانیولی اور خوری یوسف جمیع ماروتی کی امداد سے اس کی کھود کرید کی، جو دونوں کے دونوں اصلی یونانی زبان سے بالکل ناواقف تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا ستیاناس کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنی مہریں ثبت کیں، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اُس اصل کے ساتھ کیا گیا جو رومیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کرتوت انھوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شماس غیریل اس مذموم حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لا کر مرگیا۔"

پھر کہتا ہے کہ:-

"ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو ان کے یہاں عام طور سے مطبوعہ ملتی ہے، اُن کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

---

[1] شویر، لبنان کا ایک شہر ہے جس سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی خانقاہ تھی اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو "شویریات" بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں رائج تھا اسے شویریہ کہتے ہیں (المنجد)

پیش کرتے ہیں، وہ لبنانی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے اجزاء کے ساتھ رومی گرجے سے طائفہ مارونیہ[1] کے تمام پادریوں اور اُن کے بطریرک اور علماء کی جانب سے رومی کمیٹی کے سربراہ مونسینور سمعانی کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور شویر کی خانقاہ میں کیتھولکی سرداروں کی اجازت سے چھاپی گئی، یہ کمیٹی خدمۃ القداس پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافیر یعنی لیتورجیات[2] پرانے موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدیس لوگوں کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے نہ اُن کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خلاف ان کا یہ اقرار کافی ہے کہ ہمارے گرجے من گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں"

پھر کہتا ہے کہ:۔

"ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری روشن خیال نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرنے کی جرأت کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے محافظوں کی نگاہیں انھیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پاپا اور اسقفوں کا مطلب ایک بربری

---

[1] عیسائیوں کا یہ طائفہ "مارمارون" کی طرف منسوب ہے، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بن گئی تھی، اس کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب سے زیادہ مخالفت نہیں رکھتے، صرف المنجد و غیرہ میں ہے کہ انھیں ماردنی Maronites کہا جاتا ہے (برٹانیکا، المنجد)

[2] "نوافیر یا لیتورجیات" سے مراد طقس یا دینی خدمات ہیں، یہاں وہ کتابیں مراد لی گئی ہیں جن میں طقس مذکور ہوں ۱۲

حکومت تھی، جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بیچارے مشرقی عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑجانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے بارے میں ہم کو تحقیق سے معلوم نہیں کیا کچھ گذرا ہوگا، لیکن جب ہم اس عہد کی تواریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظارے آتے ہیں جو ہم کو اس مسیحی گرجے کی حالت پر آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کر دیتے ہیں، جو اس زمانہ میں سکڑ پاؤں تک ستیاناس ہو چکا تھا"

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے؟

نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف:-

نیقاویؔ[1] کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تعداد صرف بیس تھی، جن میں تحریف کر کے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، فرقہ کیتھولک اس کے قانون نمبر ۳۷ و ۴۴ سے پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر ۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے کہ:-

---

لہ یہ شہر نیقیا یا نائس Nicaea کی طرف منسوب ہے ۳۲۵ء میں ایک اسکندری کاہن آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح[2] اپنے جوہر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطین نے عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیا میں بلائی جس میں باتفاق رائے پورے جوش و خروش کے ساتھ آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بیحد اہمیت رکھتی ہے "

۲ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو برٹانیکا مقالہ (Nicaca

"مذکورہ کمیٹی کے صرف بیس قوانین ہیں، جس کی شہادت تاؤ دورتیوس کی تاریخ اور جیلاسیوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکونی[1] کونسل نمبر ۴ بھی شہادت دیتی ہے کہ نیقاوی کمیٹی کے صرف ۲۰ قوانین ہیں"

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑی گئیں، جنکو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیتوس، سیرسوس، بکلیتوس واسکندر ر دمرسیلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۶۰ میں لکھا ہے کہ:-

"پوپ لاؤن اور تمہارے رومی گرجے کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں"

مغالطہ[2] نمبر ۲ کا جواب

انجیلِ مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی:-

یہ بھی سراسر دھوکہ دہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے: ارینیوس کہتا ہے کہ:-

"پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد پطرس

---

[1] "مسکونی کونسل" تاریخ عیسائیت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو عالمگیر پیمانے پر ہوئی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوئے ہوں، ایسی کونسلیں کُل پندرہ ہوئی ہیں، یہاں چوتھی کونسل سے مراد وہ کونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ Chalcedoine میں منعقد ہوئی، اور اس میں مونوفیسی فرقہ کو خلاف شریعت قرار دیا گیا (تواریخ دالمنجد)

[2] یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہے، اور لوقا نے پولس کی اعانت سے، اور چونکہ یہ دونوں صاحبِ الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہوئیں ۱۲

کے نصائح کو قلمبند کیا ہے"

اور لارڈنر اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ :-

"میرا خیال ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل ۶۳ء و ۶۴ء سے پہلے نہیں لکھی، کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر نہیں آتی، اور یہ تاریخ قدیم مصنف آرینیوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے، جو کہتا ہے کہ مرقس نے پطرس و پولس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے، باسینج، آرینیوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور پولس کی وفات کے بعد ۶۶ء میں لکھی ہے"

باسینج اور آرینیوس کے کلام سے یہ بات صاف ہوگئی کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس و پولس کی وفات کے بعد لکھی ہے[1]، اور پطرس نے مرقس کی انجیل کو یقینی طور پر نہیں دیکھا، اور جو روایت پطرس کے دیکھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ بالکل ضعیف ہے اور قابلِ اعتبار نہیں ہے، اسی لئے مرشد الطالبین کے مصنف نے باوجود اپنے تعصب کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۰ء کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھا ہے کہ :-

"اس کا زعم ہے کہ انجیل مرقس پطرس کے زیرِ نگرانی لکھی گئی ہے"

غور کیجئے لفظ زعم صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے،

---

[1] جی، ٹی، مینلی لکھتا ہے: "مرقس کی انجیل کے مارکینی دیباچہ میں جو ۱۶۰ء میں لکھا گیا تھا، ایک اور اطلاع دیگئی ہے کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل اٹلی میں لکھی تھی اور یہ خیال صحیح اور درست معلوم ہوتا ہے" (بائبل کی کتب مقدسہ، ص ۳۳۹)

پولس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا:

اسی طرح پولس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، دو وجہ سے:-

۱، اول تو اس لئے کہ آجکل علماء فرقہ پروٹسٹنٹ کا راجح قول یہ ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل سنہ ۶۳ء میں لکھی تھی، اور اس کی تالیف اخیا میں ہوئی، دوسری جانب یہ محقق ہو کہ مقدس پولس نے سنہ ۶۳ء میں قید سے رہائی پائی تھی، پھر کسی صحیح روایت سے مرتے دم تک اُس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اسپانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرقی گرجوں کی طرف، اور اخیا مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو تھیفلس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت انجیل کی تالیف کا باعث تھا[1]،

مرشد الطالبین کا مصنف نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۰ء جلد ۲ فصل ۲، صفحہ ۱۶۱ میں لوقا کے حال میں یوں لکھتا ہے کہ:-

"چونکہ لوقا نے پولس کی .... رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا[2]، اس لئے کسی صحیح روایت کی بنا پر رہائی سے موت تک اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ معلوم نہیں ہوتا"

لارڈ نر اپنی تفسیر مطبوعہ سنہ ۱۷۲۸ء جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں کہتا ہے کہ:-

"ہم چاہتے ہیں کہ اب حواری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

---

[1] لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کہ یہ کتاب تھیفلس کے لئے لکھی جارہی ہے ۱۲

[2] یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک، مگر لوقا کے بیان سے کچھ بھی مدد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے البتہ کچھ تھوڑی مدد ملتی ہے، متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، اور اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہو کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا۔"

ان دونوں مفسروں کے کلام سے ثابت ہوجاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہوسکتا، رومیوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"مگر چونکہ مجھ کو اب ان ملکوں میں جگہ باقی نہیں رہی اور بہت برسوں سے تمہارے پاس آنے کا مشتاق بھی ہوں اس لئے جب اسپانیہ کو جاؤں گا تو تمہارے پاس ہوتا ہوا جاؤں گا کیونکہ مجھے امید ہے کہ اس سفر میں تم سے ملوں گا"

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہوگا، کیونکہ اس کے ارادہ کے فسخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

"اب دیکھو میں جانتا ہوں کہ تم سب جن کے درمیان میں بادشاہی کی منادی کرتا پھرا میرا منہ پھر نہ دیکھو گے"

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا نہ تھا، کلیمنس رومی اسقف اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ:-

"پولس سارے عالم کو سچائی کا سبق پڑھانے کیلئے انتہائے ممالک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگہ روانہ ہوگیا"

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۲، لارڈنر نے پہلے تو ایبوس کا قول یوں نقل کیا ہے:

" پولس کے مقتدی لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وعظ

پولس نے کہا تھا "

پھر کہتا ہے کہ :-

ربط کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر یعنی لوقا کا انجیل لکھنا مرقس کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا

اور پولس و پطرس کی وفات کے بعد "

اب اس قول کی بناء پر پولس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قطعی ممکن نہیں ہے ،

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پولس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا بھی تھا ، تب

[illegible] اس کا قول

الہامی نہیں ہے ، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پولس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر

ہو سکتا ہے ؟ ٭

جلد اوّل تمام شد

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الآية

بائبل سے قرآن تک

ت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحؒ کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اوّل

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دار العلوم کراچی

علوم کراچی

بالخصو

علوم کراچی